(ٹائٹل بار اوّل)

وُہ خدا جس نے تمام رُوحیں اور ذرہ ذرہ عالم علوی اور سفلی کا پیدا کیا اُسی نے اپنے فضل وکرم سے اِس رسالہ کا مضمون ہمارے دل میں پیدا کیا۔

اور

اس کا نام

ہے

نسیمِ دعوت

نام اس کا نسیمِ دعوت ہے
دلِ بیمار کا یہ درماں ہے
کفر کے زہر کو یہ ہے تریاق
غور کر کے اسے پڑھو پیارو
خاکساری سے ہم نے لکھا ہے
قوم سے مت ڈرو خدا سے ڈرو
سخت دل کیسے ہو گئے ہیں لوگ
ایک دُنیا ہے مر چکی اب تک

آریوں کے لئے یہ رحمت ہے
طالبوں کا یہ یارِ خلوت ہے
ہر ورق اس کا جامِ صحت ہے
یہ خدا کے لئے نصیحت ہے
نہ تو سختی نہ کوئی شدت ہے
آخر اس کی طرف ہی رحلت ہے
سر پہ طاعون ہے پھر بھی غفلت ہے
پھر بھی تو بہ نہیں یہ حالت ہے

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل الدین صاحب بھیروی
بتاریخ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء چھپکر شائع ہوا

صہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری رُوح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے۔ جس کے ہاتھ سے ہر ایک رُوح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنی تمام قُویٰ کے ظہور پذیر ہُوا۔ اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قائم ہے۔ اور کوئی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اُسکے تصرف سے۔ نہ اُسکے خَلق سے۔ اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وُہ زندہ خدا پایا۔ جو آپ کلام کرکے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے۔ سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے خدا کو ہمیں دکھلایا۔ اور ایسے خدا کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر ایک چیز کو بنایا۔ اسکی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جسکے بغیر کسی چیز نے نقش وجود نہیں پکڑا۔ اور جس کے سہارے کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارا سچا خدا بیشمار برکتوں والا ہے۔ اور بیشمار قدرتوں والا اور بیشمار حسن والا احسان والا اُسکے سوا کوئی اور خدا نہیں ؛

بعد ہذا واضح ہو کہ آج آریہ سماج قادیان کی طرف سے میری نظر سے ایک اشتہار[1] گزرا۔ جس پر سات فروری ۱۹۰۳ء تاریخ لکھی ہے اور مطبع چشمۂ نور پریس امرتسر میں چھپا ہے۔ جس کا عنوان اشتہار پر یہ لکھا ہے۔ "کادیانی پوپ کے چیلوں کی ایک ڈینگ کا جواب"۔ اس اشتہار میں ہمارے سید و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور میری نسبت اور میرے معزز احباب جماعت کی نسبت اس قدر سخت الفاظ اور گالیاں استعمال کی ہیں کہ بظاہر یہی دل چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کو مخاطب نہ کیا جاوے۔ مگر

---

[1] اس کے بعد ایک اور تحریر ایک انگریزی اخبار میں جو آریہ سماج لاہور کی طرف سے نکلتی ہے۔ اور ایک اور اشتہار طوطی رام نام ایک شخص کی طرف سے دیکھا گیا۔ منہ

صا ؔ خدا تعالیٰ نے اپنی وحی خاص سے مجھے مخاطب کرکے فرمایاکہ اس تحریر کا جواب لکھ۔ اور مَیں جواب دینے میں تیرے ساتھ ہوں۔ تب مجھے اس مبشر وحی سے بہت خوشی پہنچی کہ جواب دینے میں مَیں اکیلا نہیں۔ سو مَیں اپنے خدا سے قوّت پاکر اٹھا اور اُسکی رُوح کی تائید سے مَیں نے اس رسالہ کو لکھا۔ اور جیساکہ خدا نے مجھے تائید دی۔ مَیں نے یہی چاہاکہ ان تمام گالیوں کو جو میرے نبیؐ مطاع کو اور مجھے دی گئیں۔ نظر انداز کرکے نرمی سے جواب لکھوں اور پھر یہ کار و بار خدا تعالیٰ کے سپرد کردوں۔

مگر قبل اس کے کہ مَیں اس اشتہار کا جواب لکھوں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحتاً کہتا ہوں کہ جو کچھ اس اشتہار کے لکھنے والوں اور ان کی جماعت نے محض دل دُکھانے اور توہین کی نیت سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت اعتراضات کے پَیرایہ میں سخت الفاظ لکھے ہیں۔ یا میری نسبت مال خور اور ٹھگ اور کاذب اور نمک حرام کے لفظ کو استعمال میں لائے ہیں۔ اور مجھے لوگوں کا دغا بازی سے مال کھانے والا قرار دیا ہے۔ اور یا جو خود میری جماعت کی نسبت سُور اور کُتّے اور مُردار خوار اور گدھے اور بندر وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ملیچھ ان کا نام رکھا ہے۔ ان تمام دُکھ دینے والے الفاظ پر وہ صبر کریں۔ اور مَیں اس جوش اور اشتعال طبع کو خوب جانتا ہوں۔ کہ جو انسان کو اس حالت میں پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ نہ صرف اس کو گالیاں دیجاتی ہیں بلکہ اسکے رسول اور پیشوا اور امام کو توہین اور تحقیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور سخت اور غضب پیدا کرنے والے الفاظ سُنائے جاتے ہیں۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ اگر تم ان گالیوں اور بدزبانیوں پر صبر نہ کرو۔ تو پھر تم میں اور دُوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوگا۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تمہارے ساتھ ہوئی اور پہلے کسی سے نہیں ہوئی۔ ہر ایک سچا سلسلہ جو دنیا میں قائم ہوا۔ ضرور دنیا نے اس سے دشمنی کی ہے۔ سو چونکہ تم سچائی کے وارث ہو ضرور ہے کہ تم سے بھی دشمنی کریں۔ سو خبردار رہو نفسانیت تم پر غالب نہ آوے۔ ہر ایک سختی کی برداشت کرو۔ ہر ایک گالی کا نرمی سے جواب دو۔ تا آسمان پر تمہارے لئے اجر

لکھا جاوے۔ تمہیں چاہیئے کہ آریوں کے رشیوں اور بزرگوں کی نسبت ہرگز سختی کے الفاظ استعمال نہ کرو۔ تا وہ بھی خدائے قدوس اور اس کے رسول پاک کو گالیاں نہ دیں۔ کیونکہ ان کو معرفت نہیں دیگئی۔ اسلئے وُہ نہیں جانتے کہ کس کو گالیاں دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر یک جو نفسانی جوشوں کا تابع ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے لبوں سے حکمت اور معرفت کی بات نکل سکے۔ بلکہ ہر ایک قول اس کا فساد کے کیڑوں کا ایک انڈا ہوتا ہے۔ بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ پس اگر تم رُوح القدس کی تعلیم سے بولنا چاہتے ہو۔ تو تمام نفسانی جوش اور نفسانی غضب اپنے اندر سے باہر نکال دو۔ تب پاک معرفت کے بھید تمہارے ہونٹوں پر جاری ہوں گے۔ اور آسمان پر تم دنیا کے لئے ایک مفید چیز سمجھے جاؤگے۔ اور تمہاری عمریں بڑھائی جائیں گی۔ تمسخر سے بات نہ کرو۔ اور ٹھٹھے سے کام نہ لو۔ اور چاہیئے کہ سفلہ پن اور اوباش پن کا تمہارے کلام میں کچھ رنگ نہ ہو۔ تا حکمت کا چشمہ تم پر کھلے۔ حکمت کی باتیں دلوں کو فتح کرتی ہیں۔ لیکن تمسخر اور سفاہت کی باتیں فساد پیدا کرتی ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے سچی باتوں کو نرمی کے لباس میں بتاؤ۔ تا سامعین کے لئے موجب ملال نہ ہوں۔ جو شخص حقیقت کو نہیں سوچتا اور نفس سرکش کا بندہ ہو کر بدزبانی کرتا ہے اور شرارت کے منصوبے جوڑتا ہے۔ وہ ناپاک ہے۔ اس کو کبھی خدا کی طرف راہ نہیں ملتی۔ اور نہ کبھی حکمت اور حق کی بات اُسکے مُنہ پر جاری ہوتی ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی راہیں تم پر کھلیں۔ تو نفسانی جوشوں سے دُور رہو۔ اور کھیل بازی کے طور پر بحثیں مت کرو کہ یہ کچھ چیز نہیں اور وقت ضائع کرنا ہے۔ بدی کا جواب بدی کے ساتھ مت دو۔ نہ قول سے نہ فعل سے۔ تا خدا تمہاری حمایت کرے۔ اور چاہیئے کہ دردمند دل کے ساتھ سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ نہ ٹھٹھے اور ہنسی سے۔ کیونکہ مُردہ ہے وہ دل جو ٹھٹھا ہنسی اپنا طریق رکھتا ہے۔ اور ناپاک ہے وُہ نفس جو حکمت اور سچائی کے طریق کو نہ آپ اختیار کرتا ہے اور نہ دوسرے کو اختیار کرنے دیتا ہے۔ سو تم اگر پاک علم کے وارث بننا چاہتے ہو تو نفسانی جوش سے کوئی بات

صفحہ ۵

مُنہ سے مت نکالو۔ کہ ایسی بات حکمت اور معرفت سے خالی ہوگی۔ اور سفلہ اور کمینہ لوگوں اور اوباشوں کی طرح نہ چاہو کہ دشمن کو خواہ نخواہ ہتک آمیز اور تمسخر کا جواب دیا جاوے۔ بلکہ دل کی راستی سے سچا اور پُر حکمت جواب دو۔ تا تم آسمانی اسرار کے وارث ٹھہرو۔

صفحہ ۶ اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قادیان کے آریوں کا یہ حملہ جو میرے پر کیا گیا ہے یہ ایک ناگہانی ہے۔ ان دنوں میں کوئی تحریر میری طرف سے شائع نہیں ہوئی۔ اور نہ میرے قلم سے اور نہ میری تعلیم سے اور نہ میری تحریک سے کسی نے کوئی اشتہار شائع کیا پس خواہ نخواہ مجھے نشانہ بنانا اور مجھے گالیاں دینا اور میرے سیّد و مولیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توہین و تحقیر کے الفاظ لکھنا اور اس طرح پر مجھے دوہرے طور پر دُکھ دینا مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قدر نفسانی جوش کیوں دکھلایا گیا۔ بعض قادیان کے آریہ جو میرے پاس آتے تھے۔ بارہا مَیں نے ان کو نصیحت کی کہ زبان کی چالاکیوں کا نام مذہب نہیں ہے۔ مذہب ایک پاک کیفیت ہے۔ جو اُن لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں۔ اور مَیں نے ان کو بارہا یہ بھی کہا کہ دیکھو طاعون کا زمانہ ہے۔ اور دنیا کی تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ جب یہ کسی ملک میں بڑے زور سے بھڑکتی رہی ہے۔ تو اس کا یہی موجب ہوتا رہا ہے کہ زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی تھی۔ اور خدا کی طرف سے جو آتا تھا۔ اس سے انکار کیا جاتا تھا۔ اور جب بھی کہ آسمان کے نیچے اس قسم کا کوئی بڑا گناہ ظہور میں آیا اور بیباکی حد سے بڑھ گئی۔ تبھی یہ بلا ظہور میں آئی۔ اب بھی یہ گناہ انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ دُنیا میں ایک عظیم الشان نبی انسانوں کی اصلاح کے لئے آیا۔ یعنی سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس نے اس سچے خدا کی طرف لوگوں کو بلایا جس کو دُنیا بھول گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں اس کامل نبی کی ایسی توہین اور تحقیر کی جاتی ہے جس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں مل سکتی۔ پھر خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندہ کو جو یہی لکھنے والا ہے بھیجا۔ تا اس

نبی کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے۔ اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دُنیا میں پھیلا دے۔ اس کو بھی گالیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سو یہ بُرے دن جو زمانہ دیکھ رہا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ دلوں میں قادر خدا کا خوف نہیں رہا اور زبانیں تیز ہوگئیں۔ ہر ایک جوش محض قوم اور سوسائٹی کیلئے دکھلاتے ہیں۔ خدا کی عظمت ان لوگوں کے دلوں میں نہیں۔

غرض کئی دفعہ ایسی نصیحتیں قادیان کے ان آریوں کو کی گئیں۔ لیکن نتیجہ برخلاف ہوا اور وہ خدا کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرے۔ شائد دلوں میں یہ خیال ہوگا کہ گو طاعون قادیان کے اردگرد لوگوں کو ہلاک کر رہی ہے۔ مگر ہمیں کیا غم ہم تو ٹیکا لگانے کے بعد ہمیشہ کے لئے طاعون کے پنجہ سے رہائی یاب ہو گئے ہیں۔ بڑا تعجب ہے کہ ایسے خطرناک دن اور پھر یہ لوگ زبان کو اپنے قابو میں نہیں رکھتے۔ نہیں سوچتے کہ جس نبی کو ہم گالیاں دیتے ہیں اور جس کی تحقیر اور توہین کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا کی طرف سے ہے اور ضرور وُہ خدا کی طرف سے ہے۔ تو کیا یہ بدزبانیاں اور بے ادبیاں خالی جائیں گی سُنو اے غافلو! ہمارا اور ان راستبازوں کا تجربہ جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ گواہی دیتا ہے کہ خدا کے پاک رسولوں کی بے ادبی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہر ایک نیک طینت جانتا ہے کہ خدا کے پاس ہر ایک بدی اور شوخی کی سزا ہے اور ہر ایک ظلم کا پاداش ہے ✦

صٹ

ایک اعتراض کا جواب

اب ہم آریہ صاحبوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو انہوں نے اپنے اشتہار میں ہماری جماعت کے نومسلم آریوں پر کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ مسلمان ہوتا ان کا تب صحیح ہوتا کہ اول وُہ چاروں وید پڑھ لیتے اور پھر ویدوں کے پڑھنے کے بعد چاہیئے تھا کہ وہ آریہ دھرم کا اسلام سے مقابلہ کرتے۔ اور پھر اس قدر تحقیق و تفتیش کے بعد اگر اسلام کو حق دیکھتے۔ تو مسلمان ہو جاتے۔ سو واضح ہو کہ ہمارے نومسلم آریہ جہاں تک حق تحقیق کا ہے سب کچھ ادا

کرکے مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ انہوں نے چاروں وید کب پڑھے ہیں۔ یہ اعتراض اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ جب اعتراض کرنیوالے اپنے وید خوان ہونے کا ثبوت دیتے۔ افسوس کہ انہوں نے اعتراض کرتے وقت انصاف اور خدا ترسی سے کام نہیں لیا۔ بھلا اگر انہوں نے سچائی کی پابندی سے یہ اعتراض پیش کیا ہے۔ تو ہمیں بتلادیں کہ ان میں سے وہ تمام لوگ رام رام کرنے والے جو سناتن دھرم پر قائم تھے۔ اور پھر چند سال سے وہ آریہ بنے۔ انہوں نے کس پنڈت سے وید پڑھا ہے۔ کیونکہ اگر مذہب کی تبدیلی کے لئے پہلے ویدوں کا پڑھ لینا ضروری شرط ہے۔ تو اس شرط سے آریہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔ یہ بات کس کو معلوم نہیں کہ پنڈت دیانند کے وجود سے پہلے اس ملک میں تمام ہندوستان دھرم مذہب رکھتے تھے اور ابھی تک ان کے ٹھاکردوارے اس گاؤں میں بھی موجود ہیں اور ان کے پنڈت اور وید دان آریہ ورت میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور بہتوں کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ اور وید جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہوچکے ہیں۔ ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے اکثر اتھ جو سناتن دھرم والے کرتے ہیں۔ وہی ٹھیک ہیں۔ خیر اس بحث کو اسوقت جانے دو۔ بہرحال جو اعتراض ان آریہ صاحبوں نے نومسلم ہندوؤں پر کیا ہے۔ وہی اعتراض ان پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ رامچندر، کرشن اور دیگر اوتاروں کو پرمیشر جانتے تھے۔ مورتی پوجا کو وید کی ہدایت سمجھتے تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ویدانت کے اصول کے موافق اپنے تئیں پرمیشر میں سے نکلے ہوئے خیال کرتے تھے۔ اور پھر آریہ بننے کے بعد وہ سب خیالات پلٹ گئے۔ اور بجائے اس کے کہ پرمیشر میں سے نکلے ہوں۔ انادی اور غیر مخلوق کہلا کر خود قدیم اور پرمیشر کے شریک بن گئے۔ پس کیا اس قدر انقلاب کے لئے حسب عقیدہ ان کے لئے یہ ضرور نہ تھا کہ ہر ایک فرد ان میں سے اول چار مل وید پڑھ لیتا۔ پھر اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑتا اور آریہ سماج میں داخل ہوتا۔ پس اگر

مـ۸

قادیان کے آریہ سماجیوں نے نومسلم آریوں پر اعتراض کرنے کے وقت جھوٹ اور حق پوشی سے کام نہیں لیا۔ تو ہمیں دکھلاویں کہ ان کی جماعت آریوں میں سے کتنے وہ لوگ ہیں۔ جن کو رگ اور یجر اور شام اور اتھربن وید سب کنٹھ ہیں۔ اگر اس بات میں وہ سچے نکلے کہ اپنی سب جماعت انہوں نے ویددان ثابت کردی۔ توکم سے کم ہم ان کو شریف آدمی مان لینگے۔ جنہوں نے اپنے اعتراض میں کسی ایسی جھوٹی بات کو پیش نہیں کیا۔ جس کے آپ وہ پابند نہیں تھے۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ یہ تمام مجمع قادیان کے آریوں کا ایک بازاری دوکان نشینوں کا مجمع ہے۔ جن میں سے کوئی ساہوکارہ کا شغل رکھتا ہے۔ اور کوئی بزازی کرتا ہے۔ اور کوئی نون تیل کی دوکان رکھتا ہے۔ اور جہانتک ہم کو علم ہے۔ ان میں سے ایک بھی ویدداں نہیں۔ پس کیا ان لوگوں کے مقابل پر وُہ شریف نومسلم آریہ جاہل کہلا سکتے ہیں جو بعض انمیں بی۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں۔ اور انگریزی اور اُردو ترجمے ویدوں کے پڑھتے ہیں۔ اور دن رات دین کی تعلیم پاتے ہیں۔ صہ ۹

پھر ماسوا اس کے یہ ہمارا دعویٰ صرف قادیان تک محدود نہیں۔ بلکہ ہم اس امر کی پوری اطلاع رکھتے ہیں کہ ہر ایک شہر اور قصبہ کا آریہ سماج اکثر ایسے ہی ذخیرہ سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہ خیال ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جن لوگوں نے سناتن دھرم کو الوداع کہکر باوجود سخت اختلاف کے آریہ سماجی بننا قبول کیا ہے۔ پہلے وُہ اپنے گھر سے چاروں وید پڑھ کر آئے تھے بلکہ ہم زور سے کہتے ہیں کہ تمام پنجاب اور ہندوستان میں بجز معدودے چند جن کو انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ تمام مجموعہ آریوں کا ایسا ہی ہے کہ ہر ایک دوکاندار یا ساہوکار نے آریوں میں نام لکھا رکھا ہے اور خود بجز بڑے پیٹ اور لمبی موچھوں اور دوکان کے حساب کے اور کچھ یاد نہیں۔

اور یہ باتیں میری بے تحقیق نہیں بلکہ مَیں آریہ صاحبوں کو ہزار روپیہ بطور انعام دینے کو طیار ہوں۔ اگر وہ میرے پر ثابت کردیں کہ جس قدر ان کی فہرست میں مرد و زن آریہ درج ہیں۔ یا یُوں کہو کہ جس قدر آریہ سماجی کہلانے والے مرد ہوں یا عورت ہوں۔ برٹش انڈیا

میں موجود ہیں۔ فیصدی ان میں سے پانچ ایسے پنڈت پائے جاتے ہیں۔ جو چاروں وید سنسکرت میں جانتے ہیں۔ اگر چاہیں تو میں کسی سرکاری بینک میں یہ روپیہ جمع کرا سکتا ہوں۔ اب بتلاؤ کہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت۔ اگر حیا اور سچائی سے کام لیا جاتا۔ تو ایسے اعتراضات کی کیا ضرورت تھی۔ جو خود آریہ سماج پر ہی وارد ہوتے ہیں۔ ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ آریوں کا یہ مجموعہ صرف اس طرح پر طیار ہوا ہے کہ مہاجنوں ساہوکاروں ملازموں کو طرح طرح کے حیلوں سے ترغیب دی گئی کہ تم آریہ سماج میں نام لکھا دو۔ تو بہت سے لالہ صاحبوں نے اس طرح پر نام لکھا رکھے ہیں۔ اور اصل حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور اکثروں کے گھروں میں دیوتا پرستی اور مورتی پوجا کے تعلقات بھی بدستور قائم ہیں۔ یہ بات ایسی مخفی نہیں ہے جس کی تحقیق کرنے کے لئے کچھ زیادہ مشقت کی حاجت ہو۔ تم کسی شہر یا قصبہ میں چلے جاؤ اور تحقیقات کر لو۔ کہ کس قدر اس میں آریہ سماجی ہیں۔ اور کس قدر ان میں سے وید دان ہیں۔ پس جبکہ آریہ سماجی بننے کی یہ کیفیت ہے۔ تو پھر کون ایسے تعلیم یافتہ نومسلم آریوں پر اعتراض کر سکتا ہے جو اوّل ہندو تھے۔ اور پھر سناتن دھرم اور آریوں کے اصولوں کو خوب معلوم کر کے اور اس کے مقابل پر اسلام کے اصول دیکھکر اور سچائی اور عظمت الٰہی اس میں مشاہدہ کر کے مشرف باسلام ہو گئے۔ محض خدا کے لئے دکھ اٹھائے اور بیویوں بھائیوں عزیزوں سے الگ ہوئے اور قوم کی گالیاں سنیں۔ ان نومسلم آریوں کے تبدیل مذہب کو غرض نفسانی پر محمول کرنا یہ طعن ہندوؤں کا کچھ نیا نہیں۔ بلکہ قدیم سے اس مذہب کے متعصب لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی اور معقول جواب نہیں آتا۔ تو یہی کہدیا کرتے ہیں کہ مال کے لئے یا کسی عورت کے لئے ہندو مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کروڑہا ہندو جو مسلمان ہو گئے وہ مسلمان بادشاہوں کے جبر سے ہوئے تھے۔ بعض ہندو جوش میں آکر یہ بھی کہدیتے ہیں کہ مسلمان ہونے والے دراصل مسلمانوں کا ہی نطفہ ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ یہ اعتراض تو ہماری

صہ ۱

ہی کروڑہا عورتوں پر آتا ہے۔ آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد کا زمانہ جو سات سو برس تک تھا۔ اگر انگریزوں کے زمانہ سے جو سو برس تک ابھی گذرا ہے مقابلہ کیا جائے۔ تو اس میں جس قدر ہندو کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اسکی اوسط زیادہ نکلتی ہے۔ اور خود غرضی کا الزام تو بہت ہی قابلِ شرم ہے۔ کیونکہ بعض ہندو امیروں، رئیسوں اور راجوں نے اسلام کے بعد کئی لاکھ روپیہ دینی امداد میں دیا ہے اور ہمارے غریب نومسلم آریہ ہمیشہ اپنی کمائی سے ہمیں چندہ دیتے ہیں۔ پھر تعجب کہ یہ مخالف لوگ ایسے بیجا بہتانوں سے باز نہیں آتے۔ اور جس حالت میں اکثر آریہ اپنی عورتوں کو چھوڑکر اسلام کی طرف آتے ہیں۔ تو اِس صورت میں پھر انکو عورتوں کا الزام دینا کیا اس قسم کے اعتراضات دیانت کے اعتراض ہیں۔ مثلاً ذرا سوچو کہ سردار فضل حق اور شیخ عبدالرحیم جو نومسلم آریہ ہیں۔ ہندو ہونے کی حالت میں کس قسم کی حاجت رکھتے تھے۔ جو اسلام سے پوری ہوئی۔

تبدیل مذہب کے لئے جسقدر علم درکار ہے اسکی سچی فلاسفی

اب ہم فائدہ عام کے لئے اس امر کی سچی فلاسفی بیان کرتے ہیں کہ تبدیل مذہب کیلئے کس قدر واقفیت ضروری ہے۔ کیا بقول آریہ سماج قادیان جب مثلاً ایک ہندو تبدیل مذہب کرنے لگے۔ تو اوّل اس کو چاروں وید سنسکرت میں پڑھ لینے چاہئیں یا عقل اور انصاف کے رُو سے اس میں کوئی اور قاعدہ ہے۔ صـ ۱۱

پس واضح ہو کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ تبدیل مذہب کے لئے ایک ہندو کا یہ فرض ہے کہ اوّل چاروں وید سبقاً سبقاً کسی پنڈت سے پڑھ لے۔ اور پھر اگر چاہے تو کوئی اور مذہب اختیار کرے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو مذہب کی تبدیلی کے لئے صرف وہی لوگ لائق ہوں گے۔ جو ویددان پنڈت ہوں۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ صدہا ہندو جو ویدوں کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ سناتن دھرم سے نکل کر آریہ سماجی بنتے جاتے ہیں اور

بموجب حال کی مردم شماری کے پنجاب میں آریہ مت والے مرد نو ہزار سے زیادہ نہیں۔ اور اس قدر جماعت آریہ میں شاید ایک دو پنڈت ہوں یا نہ ہوں۔ باقی سب عوام ہندو ہیں۔ جو محض چند باتیں سُنکر آریہ بن گئے ہیں اور اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور جیسا کہ آریہ سماجی لوگ مسلمان ہونے والے آریوں کا نام بھرشٹ اور ملیچھ رکھتے ہیں یہی نام سناتن دھرم کی طرف سے ان کو ملتا ہے اور مذہب سے ان کو خارج سمجھتے ہیں اور وید کے منکر قرار دیتے ہیں۔ پھر باوجود اس قدر مخالفت شدید اور اختلاف عقائد کے جو سناتن دھرم اور آریہ سماجیوں میں اظہر من الشمس ہے۔ ایک جاہل سے جاہل سناتن دھرم والا جب آریہ بننے کے لئے آتا ہے تو کوئی اس کو نہیں کہتا کہ اوّل چاروں وید پڑھ لے۔ بلکہ اس کا آریہ سماجی بننا غنیمت سمجھتے ہیں۔ خاصکر اگر کوئی دولتمند ساہوکار ہو۔ گو کیسا ہی جاہل ہو۔ تو پھر کیا کہنا ہے۔ ایک شکار ہاتھ آگیا۔ اس کو کون چھوڑے۔ بھلا بتلائیے۔ آپ کے لالہ بڈھا مل صاحب کتنے وید پڑھے ہوئے ہیں جو سناتن دھرم چھوڑ کر آریہ بن گئے۔ ایسا ہی دوسرے لالہ صاحب جو انہیں کے بھائی بند ہیں۔ اپنے اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈال کر سوچیں کہ ان کو وید دانی میں کیا کیا کمالات حاصل ہیں۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو اعتراض نومسلم آریوں پر کیا جاتا ہے۔ وہی دراصل آریوں پر بھی ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ جو آریہ ہندو مسلمان ہوتا ہے۔ چونکہ اس کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بہت سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے طبعًا وہ اسی وقت مسلمان ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے دل میں حق اور باطل کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اور یہ فیصلہ چاروں وید پڑھنے پر منحصر نہیں۔ ورنہ تبدیل مذہب کا دروازہ ہی بند ہو جائے اور نیز اس صورت میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ آریہ سماج والے بجز ایک دو وید دان پنڈتوں کے جو اُن میں ہوں۔ باقی سب ہندوؤں کو سناتن دھرم کی طرف واپس کر دیں اور ان کو ہدایت کر دیں کہ جب تم وید پڑھ کر آؤ گے۔ تب تمہیں آریہ سماج میں داخل کیا جاویگا۔ پہلے نہیں۔

صلا

ہوشمند انسان اس بات کو جلد سمجھ سکتا ہے کہ اگر تبدیل مذہب کے لئے عالم فاضل ہونا ضروری ہے۔ تو ہندوستان کے کروڑہا ہندو عوام الناس جو کچھ علم نہیں رکھتے اور مختلف فرقوں پر تقسیم شدہ ہیں۔ وہ آریہ سماج میں داخل ہونے کے لائق نہیں ہوسکتے جب تک سب کے سب ویددان نہ ہوں اور شاستروں کو سبقاً سبقاً نہ پڑھ لیں۔

پس سنو اور خوب کان کھول کر سنو کہ تبدیل مذہب کے لئے تمام جزئیات کی تفتیش کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ سچائی کی تلاش کرنے والے کے لئے مذاہب موجودہ کا باہم مقابلہ کرنے کے وقت اور پھر ان میں سے سچا مذہب شناخت کرنے کے لئے صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ (۱) اول یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا تعلیم ہے۔ یعنی اس کی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مذہب خدا کو واحد لاشریک قرار نہیں دیتا اور آسمان کے اجرام یا زمین کے عناصر یا کسی انسان یا اور چیزوں کو خدا جانتا ہے۔ یا خدا کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اور ایسی پرستشوں سے منع نہیں کرتا۔ یا خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے۔ اور جہاں تک امکانِ قدرت ہے وہاں تک قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا۔ یا اس کے علم کو ناتمام جانتا ہے۔ یا اس کی قدیم عظمت کے برخلاف کوئی تعلیم دیتا ہے۔ یا سزا اور رحمت کے قانون میں افراط یا تفریط کی راہ لیتا ہے۔ یا اسکی رحمت عامہ جیسا کہ جسمانی طور پر محیط عالم ہے۔ اسکے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا کا خاص تعلق اور روحانی نعمت کے وسائل کو مخصوص رکھتا ہے یا الوہیت کے خواص میں سے کسی خاصہ کے برخلاف بیان کرتا ہے۔ تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ (۲) دوسرے طالب حق کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مذہب میں جس کو وہ پسند کرے۔ اسکے نفس کے بارے میں اور ایسا ہی عام طور پر انسانی چال چلن کے بارے میں کیا تعلیم ہے۔ کیا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں جو انسانی حقوق کے باہمی رشتہ کو توڑتی ہو۔ یا انسان کو دیّوثی کی طرف کھینچتی ہو۔ یا دیّوثی امور کو مستلزم ہو۔ اور فطرتی حیا اور شرم کی مخالف ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو کہ جو خدا کے عام

۱۳۱

قانون قدرت کے مخالف پڑی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو جس کی پابندی غیر ممکن یا منتج خطرات ہو اور نہ کوئی ضروری تعلیم جو مفاسد کے روکنے کیلئے اہم ہے۔ ترک کی گئی ہو۔ اور نیز یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کیا وہ تعلیم ایسے احکام سکھلاتی ہے یا نہیں کہ جو خدا کو عظیم الشان محسن قرار دیکر رشتہ محبت اس سے محکم کرتے ہوں اور تاریکی سے نور کی طرف لیجاتے ہوں اور غفلت سے حضور اور یادداشت کی طرف کھینچتے ہوں۔ (۳) تیسرے طالب حق کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کو پسند کرے جس کا خدا ایک فرضی خدا نہ ہو۔ جو محض قصوں اور کہانیوں کے سہارے سے مانا گیا ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ صرف ایک مُردہ سے مشابہت رکھتا ہو۔ کیونکہ اگر ایک مذہب کا خدا صرف ایک مُردہ سے مشابہ ہے جس کا قبول کرنا محض اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے تئیں آپ ظاہر کیا ہے۔ تو ایسے خدا کا ماننا گویا اسپر احسان کرنا ہے۔ اور جس خدا کی طاقتیں کچھ محسوس نہ ہوں اور اپنے زندہ ہونے کے علامات وہ آپ ظاہر نہ کرے۔ اسپر ایمان لانا بے فائدہ ہے اور ایسا خدا انسان کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور ایک مُردہ پرمیشر سے ایک زندہ بیل بہتر ہے جس سے کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ پس اگر ایک شخص بے ایمانی اور دنیا پرستی پر جُھکا ہُوا نہ ہو تو وہ زندہ خدا کو ڈھونڈے گا۔ تا اس کا نفس پاک اور روشن ہو جائے۔ اور کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہو گا جس میں زندہ خدا اپنا جلوہ قدرت نہیں دکھلاتا۔ اور اپنے جلال کی بھری ہوئی آواز سے تسلّی نہیں بخشتا ✽

یہ تین ضروری امر ہیں جو تبدیل مذہب کرنے والے کے لئے قابلِ غور ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کسی مذہب کو ان تین معیاروں کے رُو سے دوسرے مذاہب پر فائق اور غالب پاوے۔ تو اُس کا فرض ہو گا کہ ایسے مذہب کو اختیار کرے۔ اور اس قدر تحقیق کیلئے نہ کسی بڑے پنڈت بننے کی حاجت ہے اور نہ کسی بڑے پادری بننے کی ضرورت ہے۔ اور خدا نے جیسا کہ جسمانی زندگی کے لئے جن جن چیزوں کی حاجت ہے جیسے پانی۔ ہوا۔ آگ اور خوردنی چیزیں وہ ان کیلئے

صفحہ ۱۴

ہو عمواً خود کشی نہ کرنا چاہیں۔ بکثرت پیدا کر رکھی ہیں۔ اسی طرح اس نے روحانی زندگی کے لئے اپنی ہدایت کے طریقوں کو انسانوں کے لئے بہت سہل و آسان کر دیا ہے۔ تا انسان اس مختصر عمر میں فوق الطاقت مشکلات میں نہ پڑیں۔ اور امور ثلٰثہ جو ہم نے اُوپر ذکر کئے ہیں۔ ان کیلئے ایک عمر خرچ کرنے اور عالم فاضل بننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک حامی مذہب جو اپنے اصول شائع کرتا ہے۔ انہیں اصولوں سے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ اس معیار کے موافق ہیں یا نہیں۔ اور اگر وہ اپنے اصولوں کے بیان کرنے میں کچھ جھوٹ بولے۔ یا کسی بات کو چھپاوے۔ تو وہ خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ علمی زمانہ ہے۔ اور صدہا پہلو ایسے ہیں جن سے حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

اب جبکہ مذکورہ بالا بیانات سے بداہت ثابت ہے کہ تبدیل مذہب کے لئے ہرگز ایسی ضرورت نہیں کہ کسی دین کے تمام فروع اصول اور جزئیات کلیات معلوم کئے جائیں بلکہ امور متذکرہ بالا کی واقفیت کافی ہے۔ تو اس صورت میں ان نومسلم آریوں کا کیا قصور ہے جو ان ضروری امور کی تحقیق کر کے مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ اور جس صورت میں خود آریہ سماج کے گروہ میں سکھ جٹ۔ سنار اور جاہل دوکاندار آریوں میں شامل ہیں جو بغیر چاروں وید پڑھنے کے بلکہ بدون ان امور ثلٰثہ مذکورہ بالا کی تحقیق کے سناتن دھرم اور خالصہ مذہب سے جو ان کے قدیم مذاہب تھے۔ دست بردار ہو کر آریہ مت میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور اکثر لوگ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں۔ گویا کُل ذخیرہ آریہ مت کا بجز شاذ و نادر اشخاص کے انہی عوام الناس سے بھرا ہوا ہے تو پھر کیوں ان غریب نومسلم آریوں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے ارکانِ ثلاثہ پر خوب غور کر کے مذہب اسلام اختیار کیا ہے۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ یہ بات تعلیق بالمحال ہے کہ کسی مذہب کے اختیار کرنے کے لئے پہلے اپنے آبائی مذہب کی کتاب اور اس کی تفسیروں کو سبقاً سبقاً اوّل سے آخر تک پڑھ لینا ضروری ہے۔ اس شرط کو نہ کوئی آریہ دکھا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی پادری۔ بلکہ یہ صرف ناحق کی نیش زنی ہے۔ جو راستبازی سے بعید

ص۱۵

ہے۔ دُنیا میں عالم فاضل کی ڈگری حاصل کرنے والے تو ہر ایک مذہب میں تھوڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ تبحر علمی میں پورے کامل ہر ایک ملک میں دس بیس سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مگر دوسرے لوگ کروڑہا ہوتے ہیں جو نہ پنڈت کہلاویں اور نہ پادری کے نام سے ملقب ہوں اور نہ مولوی ہونے کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں۔ اور انہیں میں سے اکثر طالب حق بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کیلئے کافی ہوتا ہے کہ وہ اس قدر دیکھ لیں کہ کسی مذہب میں خدا کے بارے میں کیا تعلیم ہے۔ اور پھر مخلوق کے بارے میں کیا تعلیم ہے اور پھر اس تعلیم کا ثمرہ کیا ہے۔ کیا وہ اُس خدا تک پہنچاتی اور اُس مخفی ذات کو دکھلاتی ہے جو زندہ خدا ہے۔ یا اس کو محض قصوں کے سہارے پر چھوڑتی ہے۔ جیسا کہ ہم ان امور ثلاثہ کی ابھی تصریح کر چکے ہیں۔ اور عقلِ سلیم بہداہت اس بات کو سمجھتی ہے کہ جو شخص ان تینوں امور میں کسی مذہب کو کامل پائے گا۔ وہی مذہب سچا ہوگا۔ کیونکہ یہ تسلی جھوٹے مذہب میں ہرگز مل نہیں سکتی۔

اب ہم ناظرین پر بڑے زور سے اس بات کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کی خوبیاں محض اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ اور جس قدر مذاہب رُوئے زمین پر ہیں۔ کیا آریہ اور کیا عیسائی اور کیا کوئی اور مذہب۔ وہ ان سہ گونہ خوبیوں سے خالی ہیں۔ اور ہم طول بیان سے پرہیز کر کے ہر ایک خوبی کے ذیل میں اسلام اور ان دونوں مذہبوں کا کچھ ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اول

خدا تعالیٰ کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبان اس بات کے اقراری ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کامل خدا ہیں۔ جن کے اندر چار روحیں موجود ہیں۔ ایک بیٹے کی۔ دوسرے باپ کی۔ تیسری روح القدس کی۔ چوتھی انسان کی۔ اور یہ مربع خدا ہمیشہ کیلئے مربع ہوگا۔ بلکہ اس کو

ملا

تھمس کہیں تو بجا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ جسم بھی ہمیشہ ہی رہیگا۔ لیکن اب تک اس بات کا جواب نہیں دیا گیا کہ اس خدا کا وہ جسم جو ختنہ کے وقت اس سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ اور وہ جسم جو تحلیل ہوتا رہا۔ اور یا ہمیشہ ناخنوں اور بالوں کے کٹنے کی وجہ سے کم ہوتا رہا۔ کیا وہ بھی کبھی اس جسم کے ساتھ شامل کیا جائیگا۔ یا ہمیشہ کے لئے اس کو داغ جدائی نصیب ہوا۔ ہر ایک عقلمند کو معلوم ہو کہ یہ علم طبعی کا مسلم اور مقبول اور تجربہ کردہ مسئلہ ہے کہ تین برس تک پہلا جسم تحلیل پاکر نیا جسم اس کی جگہ آجاتا ہے۔ اور پہلے ذرات الگ ہو جاتے ہیں۔ پس اس حساب سے تینتیس برس کے عرصہ میں حضرت مسیح کے گیارہ جسم تحلیل پائے ہونگے اور گیارہ نئے جسم آئے ہونگے۔ اب طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ گیارہ مفقود شدہ جسم پھر حضرت مسیح کے موجودہ جسم کے ساتھ شامل ہو جائیں گے یا نہیں۔ اور اگر نہیں شامل ہونگے تو کیا بوجہ کسی گناہ کے وہ علیحدہ رکھنے کے لائق تھے یا کسی اور وجہ سے علیحدہ کئے گئے۔ اور اس ترجیح بلا مرجح کا کیا سبب ہے۔ اور کیوں جائز نہیں کہ اس موجودہ جسم کو دُور کر کے وُہی پہلے جسم حضرت مسیح کو دیئے جائیں۔ اور کیا وجہ کہ جبکہ گیارہ دفعہ اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح تمام انسانوں کی طرح تین برس کے بعد نیا جسم پاتے رہے ہیں اور تینتیس برس تک گیارہ نئے جسم پا چکے ہیں۔ تو پھر کیوں اب باوجود دو ہزار برس گذرنے کے وُہی پرانا جسم ان کے ساتھ لازم غیر منفک رہا۔ اگر اس جسم کے غیر فانی بننے کی وجہ ان کی خدائی ہے۔ تو ان پہلے دنوں میں بھی تو خدائی موجود تھی۔ جبکہ ہر ایک تین برس کے بعد پہلا چولہ جسم کا وہ اتارتے رہے ہیں۔ اور وہ جسم جو خدائی کا ہمسایہ تھا۔ خاک وغبار میں ملتا رہا۔ تو کیوں یہ موجودہ جسم بھی ان سے الگ نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ذرا سوچو کہ انسان کے جسم کے پہلے ذرات اس سے الگ ہو جانا تو کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ بلکہ رحم سے نکلتے ہی ایک حصہ اسکے جسم کے زواید کا الگ کرنا پڑتا ہے اور ناخن اور بال ہمیشہ کٹانے پڑتے ہیں۔ اور بسا اوقات بباعث بیماری بہت دُبلا ہو جاتا ہے۔ اور پھر کھانے پینے سے

نیا جسم آجاتا ہے۔ مگر خدا کے گیارہ جسم اس سے الگ ہو جائیں۔ اس میں بیشک خدا کی ہتک ہے ہاں جیسا کہ چاروں روحوں کے عقیدہ میں ایک راز تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس جگہ بھی یہی جواب دیا جائے کہ اس میں بھی کوئی راز ہے۔ تو پھر بحث کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ مگر بار بار راز کا بہانہ پیش کرنا یہ ایک بناوٹ اور کمزوری کی نشانی ہے۔ صفحہ ۱۷

پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ اس تخمیس کا نام تثلیث کیوں رکھا گیا ہے۔ جبکہ بموجب عیسائی عقیدہ کے چاروں روحیں مسیح کے جسم میں ابدی اور غیر فانی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ اور انسانی روح بھی بباعث غیر فانی ہونے کے اس مجموعہ سے کبھی الگ نہیں ہوگی اور نہ کبھی جسم الگ ہوگا۔ تو پھر یہ تو تخمیس ہوئی نہ تثلیث۔ اب ظاہر ہے کہ واضعانِ تثلیث سے یہ ایک بڑی ہی غلطی ہوئی ہے۔ جو انہوں نے تخمیس کو تثلیث سمجھ لیا۔ مگر اب بھی یہ غلطی درست ہو سکتی ہے۔ اور جیسا کہ گزشتہ دنوں میں تثلیث کے لفظ کی نسبت ثالوث تجویز کیا گیا تھا۔ اب بجائے ثالوث کے تخمیس تجویز ہو سکتی ہے۔ غلطی کی اصلاح ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس پانچ پہلو والے خدا کی کچھ نہ کچھ مرمت ہی ہوتی رہتی ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی مذہب توحید سے تہیدست اور محروم ہے بلکہ ان لوگوں نے سچے خدا سے منہ پھیر کر ایک نیا خدا اپنے لئے بنایا ہے۔ جو ایک اسرائیلی عورت کا بیٹا ہے۔ مگر کیا یہ نیا خدا ان کا قادر ہے۔ جیسا کہ اصلی خدا قادر ہے۔ اس بات کے فیصلہ کے لئے خود اس کی سرگذشت گواہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ قادر ہوتا۔ تو یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں نہ کھاتا۔ رومی سلطنت کی حوالات میں نہ دیا جاتا اور صلیب پر کھینچا نہ جاتا۔ اور جب یہودیوں نے کہا تھا کہ صلیب پر سے خود بخود اُتر آ تو ہم ابھی ایمان لے آئیں گے۔ اُس وقت اُتر آتا۔ لیکن اس نے کسی موقعہ پر اپنی قدرت نہیں دکھلائی۔ رہے اسکے معجزات۔ سو واضح ہو کہ اس کے معجزات دوسرے اکثر نبیوں کی نسبت۔ بہت ہی کم ہیں۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی ایلیا نبی کے معجزات سے جو بائبل میں مفصل مذکور ہیں۔

جن میں سے مُردوں کا زندہ کرنا بھی ہے۔ مسیح ابنِ مریم کے معجزات کا مقابلہ کرے۔ تو اس کو ضرور اقرار کرنا پڑے گا کہ ایلیا نبی کے معجزات شان اور شوکت اور کثرت میں مسیح ابن مریم کے معجزات سے بہت بڑھ کر ہیں۔ ہاں انجیلوں میں بار بار اس معجزہ کا ذکر ہے کہ یسوع مسیح مصروعوں یعنے مرگی زدہ لوگوں میں سے جنّ نکالا کرتا تھا اور یہ بڑا معجزہ اس کا شمار کیا گیا ہے۔ جو محققین کے نزدیک ایک ہنسی کی جگہ ہے۔ آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مرض صرع ضعفِ دماغ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یا بعض اوقات کوئی رسولی دماغ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ کسی اور مرض کا یہ عرض ہوتی ہے۔ لیکن ان تمام محققین نے کہیں نہیں لکھا کہ اس مرض کا سبب جنّ بھی ہُوا کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا حضرت مسیح ابن مریم پر یہ بھی احسان ہے کہ اس کے بعض معجزات کا ذکر تو کیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ وُہ مرگی زدہ بیماروں میں سے جنّ بھی نکالا کرتا تھا۔ اور قرآن شریف میں حضرت مسیح ابنِ مریم کے معجزات کا ذکر اس غرض سے نہیں ہے کہ اس سے معجزات زیادہ ہوئے ہیں۔ بلکہ اس غرض سے ہے کہ یہودی اس کے معجزات سے قطعاً منکر تھے۔ اور اس کو فریبی اور مکّار کہتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہودیوں کے دفع اعتراض کے لئے مسیح ابنِ مریم کو صاحب معجزہ قرار دیا۔ اور اسی حکمت کی وجہ سے اسکی ماں کا نام صدیقہ رکھا کیونکہ یہودی اسپر ناجائز تہمت لگاتے تھے۔ سو مریم کا صدیقہ نام رکھنا اس غرض سے نہیں تھا کہ وُہ دوسری تمام پاک دامن اور صالحہ عورتوں سے افضل تھی بلکہ اس نام کے رکھنے میں یہودیوں کے اعتراض کا ذبّ اور دفع مقصود تھا۔ اسی طرح جو احادیث میں لکھا گیا کہ عیسےٰ اور اس کی ماں مسّ شیطان سے پاک تھے۔ اس قول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے نبی مسّ شیطان سے پاک نہیں تھے۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ نعوذ باللہ جو حضرت مسیح پر ولادتِ ناجائز کا الزام لگایا گیا تھا اور حضرت مریم کو ناپاک عورت قرار دیا گیا تھا۔ اس کلمہ میں اس کا ردّ مقصود ہے۔ ایسا ہی حضرت

صـ۱۸

مسیح کی پیدائش بھی کوئی ایسا امر نہیں ہے۔ جس سے ان کی خدائی مستنبط ہو سکے۔ اسی دھوکہ کے دور کرنے کے لئے قرآن شریف اور انجیل میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ کی ولادت کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ تا پڑھنے والا سمجھ لے کہ دونوں ولادتیں اگرچہ بطور خارق عادت ہیں۔ لیکن ان سے کوئی خدا نہیں بن سکتا۔ ورنہ چاہیئے کہ یحییٰ بھی جس کا عیسائی یوحنا نام رکھتے ہیں خدا ہو۔ بلکہ یہ دونوں امر اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبوت اسرائیلی خاندان میں سے جاتی رہے گی۔ یعنی جبکہ یسوع مسیح کا باپ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوا۔ اور یحییٰ کی ماں اور باپ اس لائق نہ ٹھہرے کہ اپنے نطفہ سے بچہ پیدا کر سکیں۔ تو یہ دونوں تیں اسرائیلی سلسلہ سے خارج ہو گئے۔ اور یہ آئندہ ارادہ الٰہی کیلئے ایک اشارہ قرار پاگیا کہ وہ نبوت کو دوسرے خاندان میں منتقل کریگا۔ ظاہر ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کا کوئی بنی اسرائیلی باپ نہیں ہے۔ پس وہ بنی اسرائیل میں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا اس کا وجود اسرائیلی سلسلہ کے دائمی نبوت کی نفی کرتا ہے۔ ایسا ہی یوحنا یعنی یحییٰ اپنے ماں باپ کے قویٰ میں سے نہیں ہے۔ سو وہ بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۹

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ مسیح کے کسی معجزہ یا طرز ولادت میں کوئی ایسا عجوبہ نہیں کہ وہ اس کی خدائی پر دلالت کرے۔ اسی امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے مسیح کی ولادت کے ذکر کے ساتھ یحییٰ کی ولادت کا ذکر کر دیا۔ تا معلوم ہو کہ جیساکہ یحییٰ کی خارق عادت ولادت ان کو انسان ہونے سے باہر نہیں لے جاتی۔ ایسا ہی مسیح ابن مریم کی ولادت اس کو خدا نہیں بناتی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یوحنا کی ولادت حضرت عیسیٰ کی ولادت سے کوئی کم عجیب تر نہیں۔ بلکہ حضرت عیسیٰ میں صرف باپ کی طرف میں ایک خارق عادت امر ہے۔ اور حضرت یحییٰ میں ماں اور باپ دونوں کی طرف میں خارق عادت امر ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کا نشان بہت صاف رہا ہے۔ کیونکہ ان کی ماں پر کوئی ناجائز تہمت نہیں لگائی گئی۔ اور بوجہ اس کے کہ وہ بانجھ تھی۔ تہمت کا

کوئی محل بھی نہیں تھا۔لیکن حضرت مریم پر تہمت لگائی گئی۔ اور اس تہمت نے حضرت عیسےٰ کی ولادت کے عجوبہ کو خاک میں ملا دیا۔ مگر اس تہمت میں صرف یہودیوں کا قصور نہیں۔ بلکہ خود حضرت مریم سے ایک بڑی بھاری غلطی ہوئی جس نے یہود کو تہمت کا موقعہ دیا۔ اور وہ یہ کہ جب اس نے اپنے کشف میں فرشتہ کو دیکھا اور فرشتہ نے اس کو حاملہ ہونے کی بشارت دی۔ تو مریم نے عمداً اپنے خواب کو چھپایا۔ اور کسی کے پاس اس کو ظاہر نہ کیا۔ کیونکہ اس کی ماں اور باپ دونوں نے اس کو بیت المقدس کی نذر کیا تھا۔ تا وہ ہمیشہ تارکہ رہ کر بیت المقدس کی خدمت میں مشغول رہے اور کبھی خاوند نہ کرے۔ اور بتول کا لقب اس کو دیا گیا۔ اور اس نے آپ بھی یہی عہد کیا تھا کہ خاوند نہیں کرے گی۔ اور بیت المقدس میں رہے گی۔ اب اس خواب کے دیکھنے سے اس کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر میں لوگوں کے پاس یہ ظاہر کرتی ہوں کہ فرشتہ نے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا۔ تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ خاوند کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے وہ اس خواب کو اندر ہی اندر دبا گئی۔ لیکن وہ خواب سچی تھی اور ساتھ ہی اس کے حمل ہو گیا جس سے مریم مدت تک بیخبر رہی۔ جب پانچواں مہینہ حمل پر گذرا۔ تب یہ چرچا پھیل گیا کہ مریم کو حمل ہے اور اسوقت لوگوں کو خواب سنادی۔ لیکن اُسوقت سُنانا بے فائدہ تھا۔ آخر بزرگوں نے پردہ پوشی کے طور پر یوسف نام ایک شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ اس طرح پر یہ نشان مکدر ہو گیا۔

رہی حضرت مسیح کی پیشگوئیاں پس وہ تو ایسی ہیں کہ اب تک یہودی اسپر ہنسی کرتے ہیں کیونکہ ایسی باتیں کہ زلزلے آئینگے قحط پڑیں گے۔ لڑائیاں ہونگی۔ عادت میں داخل ہیں اور ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں۔ اور نیز یہودی کہتے ہیں کہ ان کی کوئی بات جو پیشگوئی کے رنگ میں تھی۔ سچی نہیں نکلی۔ چنانچہ یہ اعتراض ان کے اب تک لاینحل چلے آتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے بارہ حواریوں کو جو انکے سامنے موجود تھے بہشت کا وعدہ دیا تھا۔ بلکہ ان کیلئے بارہ تخت تجویز کئے تھے۔ لیکن آخر کار بارہ ۱۲ میں سے گیارہ ۱۱ رہ گئے۔ اور بارھواں حواری جو یہودا اسکریوطی تھا۔ وہ مرتد ہو گیا

صفحہ ۲۰

اور تیس روپیہ لے کر حضرت عیسٰے کو اس نے گرفتار کرا دیا۔ اگر یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے ہوتی تو یہود ا مرتد نہ ہوتا۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی اعتراض ہے کہ ان کی یہ پیشگوئی کہ ابھی اس زمانے کے لوگ زندہ ہونگے کہ مَیں واپس آجاؤنگا۔ یہ پیشگوئی بھی بڑی صفائی سے خطا گئی۔ کیونکہ انیس سو برس گذر گئے اور اس زمانہ کے لوگ مدت ہوئی کہ مرکھپ گئے لیکن وہ واپس نہیں آئے۔

غرض ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ مسیح ہرگز کسی بات پر قادر نہیں تھا۔ صرف ایک عاجز انسان تھا۔ اور انسانی ضعف اور لاعلمی اپنے اندر رکھتا تھا۔ اور انجیل سے ظاہر ہے کہ اس کو غیب کا علم ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ وہ ایک انجیر کے درخت کی طرف پھل کھانے گیا اور اسکو معلوم نہ ہوا کہ اسپر کوئی پھل نہیں ہے۔ اور وُہ خود اقرار کرتا ہی کہ قیامت کی خبر مجھے معلوم نہیں۔ پس اگر وُہ خدا ہوتا۔ تو ضرور قیامت کا علم اسکو ہونا چاہیئے تھا۔ اسی طرح کوئی صفت الوہیت اس میں موجود نہیں تھی اور کوئی ایسی بات اس میں نہیں تھی کہ دُوسروں میں نہ پائی جائے۔ عیسائیوں کو اقرار ہے کہ وہ مر بھی گیا۔ پس کیسا بدقسمت وہ فرقہ ہے جس کا خدا مر جائے۔ یہ کہنا کہ پھر وہ زندہ ہو گیا تھا کوئی تسلی کی بات نہیں۔ جس نے مرکر ثابت کر دیا کہ وہ مر بھی سکتا ہی۔ اس کی زندگی کا کیا اعتبار۔

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ موجودہ مذہب عیسائیوں کا ہرگز خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں ہے۔ کیونکہ جس کو انہوں نے خدا قرار دیا ہے وہ کسی طرح خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا پر ہرگز موت نہیں آسکتی۔ اور نہ وُہ علم غیب سے محروم ہو سکتا۔

اب ہم اسی پیمانہ سے آریہ مذہب کو ناپنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ سچے اور کامل اور واحد لاشریک خدا کو مانتے ہیں یا اس سے برگشتہ ہیں۔ پس واضح ہو کہ اوّل علامت خداشناسی کی توحید ہے یعنی خدا کو اسکی ذات میں اور صفات میں ایک ماننا اور کسی خوبی میں اس کا کوئی شریک قرار نہ دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آریہ سماجی لوگ ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کی ازلیت کی صفت میں شریک قرار دیتے ہیں۔* اور جس طرح خدا تعالےٰ اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کا محتاج نہیں۔

* یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف یہ نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں۔ بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی رُوح کیلئے محض عطیہ الٰہی ہے ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کی روحوں کی طرح قابل فنا ہے۔ منہ

ص۱۲

اسی طرح ان کے نزدیک جیُو یعنے رُوح اور پرمانو یعنے ذرّات اجسام بھی اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کی طرف محتاج نہیں۔ بلکہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے رُو سے نہ خدا کی توحید باقی رہتی ہے نہ اس کی عظمت میں سے کچھ باقی رہ سکتا ہے۔ بلکہ اس صورت میں اس کی شناخت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صانع اپنے مصنوعات سے ہی شناخت ہوتا ہے۔ پس جبکہ رُوحوں اور جسموں کی تمام قوتیں خود بخود اور قدیم ہیں۔ تو پھر خدا کے وجود پر کونسی دلیل قائم ہوئی اور عقل انسانی نے کیونکر سمجھ لیا کہ وہ موجود ہے۔ یہ کہنا بیجا ہے کہ وہ ان ذرات کو جوڑتا ہے اور روح اور جسم کو تعلق بخشتا ہے۔ اور اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ کیونکہ صرف جوڑنے سے کوئی شخص خدا نہیں کہلا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر صرف جوڑنے سے کوئی خدا کہلا سکتا ہے۔ تو اس صورت میں تو تمام نجار اور معمار خُدا کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ جوڑنے کا کام تو انہیں بھی آتا ہے۔ دیکھو حال کے زمانہ میں کیسی کیسی عمدہ صنعتیں یورپ کے صناعوں نے ایجاد کی ہیں یہانتک کہ مادر زاد اندھوں کے دیکھنے کیلئے بھی ایک آلہ نکالا ہے۔ اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی صنعت نکال لیتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک قسم کے مُردہ جانوروں میں روح ڈالنے کا طریق بھی انہوں نے ایجاد کیا ہے۔ یعنی جب کوئی جانور ایسے طور سے مر جائے۔ جو اسکے اعضائے رئیسہ کو صدمہ نہ پہنچے اور اسکی موت پر کچھ زیادہ عرصہ بھی نہ گذرے تو وہ اسکو اپنی حکمت عملی سے دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔ گو حقیقی طور پر وُہ زندگی نہیں ہوتی۔ تاہم انکے تجربہ نمائی میں کیا شک ہے۔ امریکہ میں آجکل یہ عمل کثرت سے پھیل رہا ہے۔ مگر کیا ایسی صنعتوں سے وُہ خدا کہلا سکتے ہیں؟

پس اصل بات یہ ہے کہ خدا کی قدرت میں جو ایک خصوصیت ہے۔ جس سے وُہ خدا کہلاتا ہے۔ وہ روحانی اور جسمانی قوتوں کے پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اُس نے آنکھیں عطا کی ہیں۔ اس کام میں اسکا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اُس نے یہ آنکھیں بنائیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ اُس نے ذراتِ جسم میں پہلے سے پوشیدہ طاقتیں پیدا کر رکھی تھیں۔ جن میں بینائی کا نور

صہ ۲۲

پیدا ہو سکے۔ پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہیں۔ تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں۔ کیونکہ بقول شخصے کہ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نام۔ اس بنیائی کو وہ طاقتیں پیدا کرتی ہیں۔ خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور اگر ذرات عالم میں وہ طاقتیں نہ ہوتیں تو خدائی بے کار رہ جاتی۔ پس ظاہر ہے۔ کہ خدائی کا تمام مدار اسپر ہے۔ کہ اس نے روحوں اور ذرات عالم کی تمام قوتیں خود پیدا کی ہیں۔ اور کرتا ہے۔ اور خود ان میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں اور رکھتا ہے۔ پس وہی خواص جوڑنے کے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا کے ساتھ کوئی موجد برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ گو کوئی شخص ریل کا موجد ہو یا تار کا۔ یا فوٹوگراف کا۔ یا پریس کا یا کسی اور صنعت کا اسکو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قوتوں کا موجد نہیں۔ جن قوتوں کے استعمال سے وہ کسی صنعت کو طیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ تمام موجد بنی بنائی قوتوں سے کام لیتے ہیں۔ جیساکہ انجن چلانے میں بھاپ کی طاقتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ پس فرق یہی ہے کہ خدا نے عنصر وغیرہ میں یہ طاقتیں خود پیدا کی ہیں۔ مگر یہ لوگ خود طاقتیں اور قوتیں پیدا نہیں کر سکتے۔ پس جب تک خدا کو ذرات عالم اور ارواح کی تمام قوتوں کا موجد نہ ٹھہرایا جائے۔ تب تک خدائی اسکی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور اس صورت میں اس کا درجہ ایک معمار یا نجار یا حداد یا کلگر سے ہرگز زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ جو رد کے قابل نہیں۔ پس دانشمند کو چاہیئے کہ سمجھکر جواب دے کہ بغیر سمجھ کے جواب دینا صرف بکواس ہے۔

۲۳

یہ نمونہ آریہ سماجیوں کی توحید کا ہے۔ اور پھر دوسرا امر کہ وہ اپنے پرمیشر کو قادر کس درجہ تک سمجھتے ہیں۔ خود ظاہر ہے۔ کیونکہ جب کہ ان کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ انکا پرمیشر نہ ارواح کا خالق ہے۔ نہ ذرات اجسام کا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کی قدرت ان کے نزدیک صرف اس حد تک ہے کہ وہ باہم جسم اور روح کو جوڑتا ہے۔ اور جو ارواح اور اجسام میں گن اور خواص اور عجیب وغریب قوتیں ہیں۔ وہ ان کے نزدیک انادی اور خود بخود ہیں۔ پرمیشر کا ان میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ان کے پرمیشر کی قوت اور قدرت نجاروں اور آہنگروں وغیرہ صناعوں سے کچھ زیادہ نہیں۔ کیونکہ زیادتی تو تب ہو کہ وہ ان قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا

پیدا کرنے والا بھی ہو۔ اور جبکہ وہ سب خاصیتیں اور قوتیں اور گُن اور طرح طرح کی طاقتیں ارواح اور ذرات اجسام میں قدیم اور انادی ہیں۔ جیسا کہ خود ارواح اور ذرّات اجسام قدیم اور انادی ہیں۔ تو اِس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ جس پرمیشر نے ان ارواح اور ذرّات کو پیدا نہیں کیا۔ اس نے ان کی قوتوں کو بھی پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ کوئی چیز اپنی قوتوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک چیز کی قوتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور وہی اسکی صورتِ نوعیہ کو قائم رکھتی ہیں اور جب وہ قوت اور گُن باطل ہو جائے تو ساتھ ہی وہ چیز باطل ہو جاتی ہے۔ پس اگر یہ مانا جائے۔ کہ پرمیشر نے روحوں اور ذراتِ عالم کو پیدا نہیں کیا۔ تو ساتھ ہی ماننا پڑتا ہے کہ اس نے اسکی قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کو بھی پیدا نہیں کیا۔ اور اس صورت میں بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرمیشر کی قدرت اور قوت انسانی قوت اور قدرت سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ ہم بار بار کہتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پرمیشر میں یہی بات ہے کہ وہ قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا اپنی قدرت سے پیدا کرنے والا ہے۔ مگر انسان گو کیسا ہی انواع اقسام کے ایجادات میں سبقت لے جائے۔ مگر وہ قوتوں اور گُنوں اور خاصیتوں کو اپنے مطلب کے موافق ارواح اور اجسام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں جو خدا کی طرف سے پہلے ہی سے قوتیں اور گُن اور خاصیتیں موجود ہیں ان سے کام لیتا ہے۔ مگر خدا نے انسانوں میں جس مطلب کا ارادہ کیا ہے۔ پہلے سے اس مطلب کی تکمیل کے لئے تمام قوتیں خود پیدا کر رکھی ہیں۔ مثلاً انسانی روحوں میں ایک قوت عشقی موجود ہے۔ اور گو کوئی انسان اپنی غلطی سے دوسرے سے محبت کرے اور اپنے عشق کا محل کسی اور کو ٹھہراوے۔ لیکن عقل سلیم بڑی آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ یہ قوت عشقی اس لئے روح میں رکھی گئی ہو کہ تا وہ اپنے محبوب حقیقی سے جو اس کا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت اور سارے جوش سے پیار کرے۔

پس کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوت عشقی جو انسانی رُوح میں موجود ہے جس کی موجیں ناپیدا کنار ہیں۔ اور جس کے کمال تموج کے وقت انسان اپنی جان سے بھی دست بردار ہونے کو طیار ہوتا ہے۔ یہ خود بخود رُوح میں قدیم سے ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر خدا نے انسان اور اپنی ذات میں

۲۴۷

عاشقانہ رشتہ قائم کرنے کے لئے رُوح میں خود قوتِ عشقی پیدا کر کے یہ رشتہ آپ پیدا نہیں کیا۔ تو گویا یہ امر اتفاقی ہے کہ پرمیشر کی خوش قسمتی سے رُوحوں میں قوتِ عشقی پائی گئی۔ اور اگر اس کے مخالف کوئی اتفاق ہوتا یعنی قوتِ عشقی روحوں میں نہ پائی جاتی۔ تو کبھی لوگوں کو پرمیشر کی طرف خیال بھی نہ آتا۔ اور نہ پرمیشر اس میں کوئی تدبیر کر سکتا۔ کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کو بھی سوچنا چاہیئے کہ پرمیشر کا بھگتی اور عبادت اور نیک اعمال کے لئے مواخذہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس نے خود محبت اور اطاعت کی قوتیں انسان کی رُوح کے اندر رکھی ہیں۔ لہذا وُہ چاہتا ہے کہ انسان جس میں خود اس نے یہ قوتیں رکھی ہیں۔ اس کی محبت اور اطاعت میں محو ہو جائے۔ ورنہ پرمیشر میں یہ خواہش پیدا کیوں ہوئی۔ کہ لوگ اس سے محبت کریں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اور اس کی مرضی کے موافق رفتار اور گفتار بنادیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باہمی کشش کے لئے کسی قسم کا اتحاد ضروری ہے انسان انسان کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ اور بکری بکری کے ساتھ اور گائے گائے کے ساتھ اور ایک پرندہ اپنے ہم جنس پرندہ کے ساتھ۔ پس جبکہ انسان کی روحانی اور جسمانی قوتوں کا پرمیشر کے ساتھ کوئی بھی رشتہ نہیں۔ تو کس اشتراک سے باہمی کشش درمیان ہو۔ صرف جوڑنے کا اشتراک کافی نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ جوڑنے میں پرمیشر اور ایک نجار یا آہنگر برابر ہیں۔ اگر ہمارا کوئی عضو اپنے ٹھکانہ سے اُتر جائے۔ اور کوئی شخص اس کو اصل جگہ سے جوڑ دے۔ یا مثلاً اگر کسی کا ناک کٹ جائے۔ اور کوئی شخص زندہ گوشت اس ناک پر چڑھا کر ناک کو درست کر دے۔ تو کیا وہ اس کا پرمیشر ہو جائیگا۔ خدا کو پہلی کتابوں میں استعارۃً کے طور پر پتا یعنے باپ قرار دیا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰبآءکم[1] یعنی تم خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ اور فرمایا۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السمٰوٰت والارض[2] یعنی خدا اصل نور ہے۔ ہر ایک نور زمین و آسمان کا اسی سے نکلا ہے۔ پس خدا کا نام استعارۃً پتا رکھنا اور ہر ایک نور کی جڑ اس کو قرار دینا اسی کی طرف

۲۵

[1] البقرۃ: ۲۰۱ [2] النور: ۳۶

اشارہ کرتا ہے کہ انسانی رُوح کا خدا سے کوئی بھاری علاقہ ہے۔

عربی میں آدمی کو انسان کہتے ہیں یعنے جس میں دو انس ہیں۔ ایک انس خُدا کی اور ایک اُنس بنی نوع کی۔ اور اسی طرح ہندی میں اس کا نام مانس ہے جو مانوس کا مخفف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان اپنے خدا سے طبعی انس رکھتا ہے۔ اور مشرکانہ غلطی بھی دراصل اسی سچے خدا کی تلاش کی وجہ سے ہے۔ ہم اپنے کامل ایمان اور پوری معرفت سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اصول آریہ سماجیوں کا ہرگز درست نہیں کہ ارواح اور ذرّات اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قدیم اور انادی اور غیر مخلوق ہیں۔ اس سے تمام وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جو خدا میں اور اس کے بندوں میں ہے۔ یہ ایک نیا اور مکروہ مذہب ہے۔ جو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وید سے کہاں تک اس مذہب کا تعلق ہے۔ لیکن ہم اس پر بحث کرتے ہیں۔ کہ یہ اصول جو آریہ سماجیوں نے اپنے ہاتھ سے شائع کیا ہے۔ یہ عقل سلیم کے نزدیک کامل معرفت اور کامل غور اور کامل سوچ کے بعد ہرگز درست نہیں۔ سناتن دھرم کا اصول جو اس کے مقابل پر پڑا ہوا ہے۔ اس کو اگرچہ ویدانت کے بیجا مبالغہ نے بدشکل کر دیا ہے۔ اور ویدانتوں کی افراط نے بہت سے اعتراضات کا موقعہ دیدیا ہے۔ تاہم اس میں سچائی کی ایک چمک ہے۔ اگر اس عقیدہ کو زوائد سے الگ کر دیا جائے۔ تو ماحصل اس کا یہی ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز پرمیشر کے ہی ہاتھ سے نکلی ہے۔ پس اس صورت میں تمام شبہات دُور ہو جاتے ہیں۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ بموجب اصول سناتن دھرم کے وید کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ تمام ارواح اور ذرات اجسام اور ان کی قوتیں اور طاقتیں اور گُن اور خاصیتیں خدا کی طرف سے ہیں۔

یاد رہے کہ آریہ ورت میں مذہب قدیم جس پر کروڑہا انسان پائے جاتے ہیں سناتن دھرم ہے۔ اگرچہ اس مذہب کو عوام نے بگاڑ دیا ہے اور مورتی پوجا اور دیویوں کی پرستش اور بہت سی مشرکانہ بدعتیں اور اوتاروں کو خدا سمجھنا گویا اس مذہب کی جُز ہو گیا ہے۔

ح ۲۶

لیکن ان چند غلطیوں کو الگ کرکے بہت سی عمدہ باتیں بھی اس مذہب میں موجود ہیں ۔
اسی مذہب میں بڑے بڑے رشی اور منی اور جوگی ہوتے رہے ہیں۔ اور نیز اس مذہب
میں بڑے بڑے جپی تپی اور ریاضت کرنے والے پائے گئے ہیں۔ اب اگر کوئی چاہے ۔
قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن جس مذہب کو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے اس میں وہ
روحانیت نہیں ہے جس کو سناتن دھرم کے بزرگوں نے پایا تھا ۔گو آخر کار شرک کو
اپنے عقائد میں ملا کر اس روحانیت کو کھو دیا۔ مخلوق کا خدا سے حقیقی تعلق تبھی ٹھہرتا
ہے جب مخلوق خدا کے ہاتھ سے نکلنے والے ہوں۔ جس پر غیریت کا داغ ہے
اس میں یگانگت کبھی آ نہیں سکتی۔ ہم نے بڑے بڑے پنڈتوں سے سُنا ہے ۔ کہ
پنڈت دیانند نے جو مذہب پیش کیا ہے ۔یہ اس ملک کے خود رائے لوگوں کا مذہب
تھا ۔جو محض اپنی ناقص عقل کے پیرو تھے ۔ جیسے یونان کے گمراہ فلاسفر۔اس لئے وہ
وید کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے ۔ غایت کار عوام کو مائل کرنے کے لئے تاویلوں کے
ساتھ کوئی وید کی شرتی اپنی تائید میں سُنا تے تھے ۔تا اس طرح سے اپنے عقائد کو عوام میں
پھیلا دیں ۔ ورنہ اصل عقیدہ وید کا وہی ہے جو سناتن دھرم کی رُوح میں مخفی ہے ۔
ان لوگوں میں کسی زمانہ میں قابل تعریف عملی حالتیں تھیں ۔اور وہ بنوں میں جا کر ریاضت
اور عبادت بھی کرتے تھے ۔اور ان کے دلوں میں نرمی اور سچی تہذیب تھی۔ کیونکہ
ان کا مذہب صرف زبان تک نہیں تھا بلکہ دلوں کو صاف کرتے تھے ۔اور وہ پرمیشر
جس کا کتابوں میں انہوں نے نام سُنا تھا ۔ چاہتے تھے ۔کہ اسی دنیا میں اس کا درشن
ہو جائے ۔اس لئے وہ بہت محنت کرتے تھے ۔اور اس صدق کا نور ان کی پیشانیوں
میں ظاہر تھا ۔ پھر بعد اس کے ایک اور زمانہ آیا ۔ کہ بُت پرستی اور دیوتاؤں کی پوجا اور مورتی پوجا اور
اوتاروں کی پوجا بلکہ ہر ایک عجیب چیز کی پوجا سناتن دھرم کا طریق ہو گیا ۔اور وہ اس طریق کو بھول گئے
جو طریق رامچندر اور راجہ کرشن نے اختیار کیا تھا جن پر انکی راستبازی کی وجہ سے خدا ظاہر ہوا ۔

بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں۔ اور واقعی اپنا وجود اور ذرہ ذرہ اپنے جسم کا خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ ان کو خدا اور بھی نعمت دیتا ہے اور جو لوگ اپنی رُوح اور اپنے جسم کا ذرہ ذرہ خدا کی طرف سے نہیں جانتے ان میں تکبر ہوتا ہے۔ اور وہ دراصل خدا کے گھرے احسان اور اس کی کامل پرورش سے منکر ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک جسقدر باپ کو اپنے بیٹے سے روحانی تعلق ہے۔ اس قدر بھی خدا کو اپنے بندہ سے تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ مانتے اور قبول کرتے ہیں۔ کہ بیٹا اپنی ماں اور باپ سے اس قدر روحانی تعلق رکھتا ہے کہ انکے اخلاق سے حصہ لیتا ہے۔ مثلاً جس بیٹے کا باپ شجاعت کی صفت سے موصوف ہے۔ بیٹے میں بھی وہ صفت کسی قدر آجاتی ہے۔ اور جس باپ میں مادہ فراست اور عقل کا بہت ہے بیٹا بھی اس میں سے کسی قدر حصہ پاتا ہے۔ لیکن آریہ صاحبوں کا یہ مذہب نہیں ہے کہ انسانی رُوح میں جو اخلاق اور صفات اور قوتیں ہیں وہ خدا سے اسکو ملی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں تو پھر انہیں رُوح کو مخلوق ماننا پڑے۔ حالانکہ انسانی اخلاق خدا کے اخلاق کا پرتَوہ ہیں۔ جب خدا نے روحوں کو پیدا کیا تو جس طرح باپ کے اخلاق کا بیٹوں میں اثر آجاتا ہے ایسا ہی بندوں میں اپنے خدا کا اثر آگیا۔

اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا نے جو انسان کو اپنی طرف بلایا ہے تو اسی لئے اس نے پہلے سے پرستش اور عشق کے مناسب حال قوتیں اس میں رکھدی ہیں۔ پس وہ قوتیں جو خدا کی طرف سے ہیں۔ خدا کی آواز کو سُن لیتی ہیں۔ اسی طرح جب خدا نے چاہا کہ انسان خدا کی معرفت میں ترقی کرے۔ تو اس نے پہلے سے ہی انسانی رُوح میں معرفت کے حواس پیدا کر رکھے۔ اور اگر وہ پیدا نہ کرتا۔ تو پھر کیونکر انسان اس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا۔ انسان کی رُوح میں جو کچھ ہے۔ دراصل خدا سے ہے اور وہ خدا کی صفات ہیں۔ جو انسانی آئینہ میں ظاہر ہیں۔ ان میں سے کوئی صفت بُری نہیں۔ بلکہ اُن کی بد استعمالی اور ان میں افراط تفریط کرنا بُرا ہے۔ شاید کوئی جلدی سے یہ اعتراض کردے کہ انسان میں حسد ہے بغض ہے اور دوسری صفات ذمیمہ ہوتے ہیں پھر وہ کیونکر خدا کی طرف سے ہو سکتے ہیں۔ پس واضح رہے کہ جیساکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ دراصل تمام

۲۸

انسانی اخلاق الٰہی اخلاق کا ظل ہیں۔ کیونکہ انسانی رُوح خدا سے ہے۔ لیکن کمی یا زیادتی یا بد استعمالی کی وجہ سے وہ صفات ناقص انسانوں میں مکروہ صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حسد انسان میں ایک بہت بُرا خُلق ہے۔ جو چاہتا ہے کہ ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہو کر اس کو مل جائے۔ لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ پس درحقیقت یہ صفت خدا تعالیٰ کی ہے۔ جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہٗ لاشریک دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک قسم کی بد استعمالی سے یہ عمدہ صفت قابلِ نفرت ہو گئی ہے۔ ورنہ اس طرح پر یہ صفت مذموم نہیں کہ کمال میں سب سے زیادہ سبقت چاہے۔ اور روحانیت میں تفرد اور یکتائی کے درجہ پر اپنے تئیں دیکھنا چاہے۔

پھر ماسوا اسکے اگر خدا کو قادر نہ مانا جاوے۔ تو پھر اس سے ساری امیدیں باطل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ہماری دُعاؤں کی قبولیت اس بات پر موقوف ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے۔ ذراتِ اجسام میں یا ارواح میں وہ قوتیں پیدا کر دے جو ان میں موجود نہ ہوں۔ مثلاً ہم ایک بیمار کے لئے دُعا کرتے ہیں اور بظاہر مرنے والے آثار اس میں ہوتے ہیں۔ تب ہماری درخواست ہوتی ہو کہ خدا اسکے ذراتِ جسم میں ایک ایسی قوت پیدا کر دے جو اسکے وجود کو موت سے بچا لے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر وہ دُعا قبول ہوتی ہے اور بسا اوقات اول ہمیں علم دیا جاتا ہے کہ یہ شخص مرنے کو ہے۔ اور اسکی زندگی کی قوتوں کا خاتمہ ہے۔ لیکن جب دُعا بہت کی جاتی ہو اور انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔ اور شدت دُعا اور قلق اور کرب سے ہماری حالت ایک موت کی سی ہو جاتی ہو۔ تب ہمیں خدا سے وحی ہوتی ہے کہ اس شخص میں زندگی کی طاقتیں پھر پیدا کی گئیں۔ تب وہ یکدفعہ صحت کے آثار ظاہر کرنے لگتا ہے۔ گویا مُردہ سے زندہ ہو گیا۔

ایسا ہی مجھے یاد ہے کہ جب میں نے طاعون کے وقت میں دُعا کی۔ کہ اے خدائے قادر ہمیں اس بلا سے بچا۔ اور ہمارے جسم میں وہ ایک تریاقی خاصیت پیدا کر دے۔ جس سے ہم طاعون کی زہر سے بچ جائیں۔ تب وہ خاصیت خدا نے ہم میں پیدا کر دی۔ اور فرمایا کہ میں طاعون

ص۲۹ کی موت سے تمہیں بچاؤنگا۔ اور فرمایا کہ تیرے گھر کی چار دیواری کے لوگ جو تکبّر نہیں کرتے۔ یعنی خدا کی اطاعت سے سرکش نہیں اور پرہیزگار ہیں۔ میں ان سب کو بچاؤنگا۔ اور نیز میں قادیان کو طاعون کے سخت غلبہ اور عام ہلاکت سے محفوظ رکھونگا۔ یعنی وہ سخت تباہی جو دوسرے دیہات کو فنا کر دیگی۔ اس قدر قادیان میں تباہی نہیں ہوگی۔ سو ہم نے دیکھا اور خدا تعالیٰ کی ان تمام باتوں کو مشاہدہ کیا۔ پس ہمارا خدا یہی خدا ہے ...... جو نئی نئی قوتیں اور گن اور خاصیتیں ذراتِ عالم میں پیدا کرتا ہے۔ اس سے پہلے پانسو برس تک پنجاب میں اس مُہلک طاعون کا پتہ نہیں ملتا۔ اس وقت یہ ذرات کہاں تھے۔ اب جب خدا نے پیدا کئے تو پیدا ہو گئے اور پھر ایسے وقت رخصت ہونگے جب خدا تعالیٰ ان کو رخصت کریگا۔ ہمارا یہ طریق ہر ایک آریہ کیلئے ایک نشان ہوگا کہ ہم نے اس کامل خدا سے خبر پاکر ٹیکہ کے انسانی حیلہ سے دست کشی کی۔ اور بہت سے لوگ ٹیکا کرانے والے اس جہان سے گذر گئے۔ اور ہم ابتک خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔ پس اِسی طرح خدا تعالیٰ ذرات پیدا کرتا ہے جس طرح اسنے ہمارے لئے ہمارے جسم میں تریاقی ذرات پیدا کر دیئے۔ اور اسی طرح وُہ خدا رُوح پیدا کرتا ہے جس طرح مجھ میں اُس نے وُہ پاک رُوح پھُونک دی جس سے مَیں زندہ ہوگیا۔ ہم صرف اِس بات کے محتاج نہیں کہ وہ رُوح پیدا کرکے ہمارے جسم کو زندہ کرے۔ بلکہ خود ہماری رُوح بھی ایک اور رُوح کی محتاج ہے جس سے وہ مُردہ رُوح زندہ ہو۔ پس ان دونوں رُوحوں کو خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ جس نے اِس راز کو نہیں سمجھا۔ وہ خدا کی قدرتوں سے بے خبر اور خدا سے غافل ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم کے بارے میں آریہ سماجیوں کا کیا عقیدہ ہے۔ واضح ہو کہ عقلِ سلیم اِس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہو۔ اور کوئی ایسا مخفی امر نہ ہو۔ جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔ لیکن آریہ صاحبوں کے عقیدہ سے یہی لازم آتا ہے کہ ان کا پرمیشر ارواح اور ذرات کی مخفی در مخفی قوتوں اور خاصیتوں کا علم نہیں رکھتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کو اِسی قدر خبر ہے کہ جو کچھ کسی انسان یا حیوان میں گُن اور قوّت اور خوبی ہے وُہ گذشتہ اعمال کی

وجہ سے ہے۔ پس اگر اس کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ علاوہ جسم دار جانداروں کے خود رُوحوں میں بھی انواع واقسام کی قوتیں اور گُن اور خوبیاں ہیں جو کبھی ان سے دُور نہیں ہوتیں تو وُہ ان کے لئے بھی کوئی گزشتہ جنم تجویز کرتا اور انکو انادی قرار نہ دیتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی چیز کے خواص اس سے منفک نہیں ہوتے۔ پس فرض کے طور پر اگر انسانی رُوح گدھے میں آجاتی ہو تو وہ اپنے طبعی خواص کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتی۔ گو اس جون میں ان خواص کو ظاہر کرے یا نہ کرے کیونکہ اگر کسی جون کے بدلنے سے اصلی خواص اور قوتیں رُوح کی قطعًا اس سے دُور ہو جائیں۔ تو پھر خود بقول آریہ صاحبان اعادہ اس کا محال ہوگا کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ جو قوّت درحقیقت رُوح میں سے معدوم ہوگئی۔ اس کا دوبارہ رُوح میں موجود ہو جانا درحقیقت نیست سے ہست ہو جانا ہے۔ اور اگر تناسخ کے چکّر میں آکر رُوح کی قوتیں معدوم نہیں ہوتیں۔ تو تناسخ کا اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ پس جبکہ پرمیشر نے ان غیر منفک قوتوں کو تناسخ کے چکر سے باہر رکھا ہے تو اس سے معلوم ہُوا کہ اس کو ان مخفی قوتوں اور خوبیوں کی خبر ہی نہیں۔ اور نہ یہ معلوم کہ کن عملوں کے پاداش میں یہ قوتیں اور یہ گُن اور خوبیاں رُوحوں کو ملی ہیں۔ علاوہ اس کے اگر پرمیشر کو اِس بات کا کامل علم ہے کہ رُوح کیا چیز ہے اور اس کے خواص اور قوتیں کیا ہیں۔ تو پھر کیوں وہ اس کے بنانے پر قادر نہیں۔ یہ تو آریہ صاحبوں کے نزدیک مانا ہُوا مسئلہ ہے کہ ارواح اپنے شمار میں محدود ہیں اور محدود وقت تک اپنا دَورہ پُورا کرتی ہیں۔ پس محدود اور معلوم کے بنانے پر کیوں خدا قادر نہیں۔ اور کس نے ان رُوحوں کو شمار مقررہ تک محدود کر دیا ہے۔ اگر خدا ان کا مُحدِّد نہیں۔ اگر وہ رُوحیں خدا کی بنائی ہوئی نہیں۔ تو انکی نسبت خدا کا علم ایسا کیونکر کامل ہو سکتا ہے جیسا کہ بنانے والے کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بنانے والے اور غیر بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا۔ مثلًا جو لوگ اپنے ہاتھ سے کوئی صنعت بناتے ہیں۔ جیسے وہ لوگ اس صنعت کی دقیق در دقیق کیفیتوں سے واقف ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ ایسی اطلاع نہیں رکھتے۔ اور اگر کامل طور پر اطلاع رکھتے تو بنا بھی سکتے۔

یہ بات مسلّم اور مقبول ہے۔ کہ جو بنانے والے کو ایک قسم کا علم ہوتا ہے۔ وہ دوسرے شخص کو نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ خیال بھی کرے۔ کہ میں علم رکھتا ہوں۔ تب بھی اس کا وہ خیال غلط ہے۔ اور در اصل ایک قسم کی ناواقفی کا پردہ اس پر ضرور رہتا ہے۔ مثلاً ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ کہ روٹی اس طرح پکاتے ہیں۔ اور ہمارے روبرو روٹی بنائی جاتی ہے۔ اور عمدہ اور لطیف پھلکے اور نان اور کلچے تیار ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کبھی اپنے ہاتھ سے یہ کام کرنا چاہیں۔ تو اول غالباً یہی ہوگا۔ کہ ہم گوندھنے کے وقت آٹے کو ہی خراب کریں گے۔ اور وہ پتلا ہو کر روٹی پکانے کے لائق ہی نہیں رہے گا۔ یا گاڑھا اور سخت ہو کر اس کام کے ناقابل ہو گا۔ اور یا اس میں آٹے کی گلٹیاں پڑ جائیں گی اور اگر ہم نے مطلب کے موافق آٹا گوندھ بھی لیا۔ تو پھر روٹی ہم سے ہرگز درست نہیں آئے گی۔ غالباً بیچ میں اس کی ایک ٹکی رہے گی۔ اور گرد اس کے بڑے بڑے کان نکل آئیں گے اور کسی جگہ سے پتلی اور کسی جگہ سے موٹی اور کسی جگہ سے کچی اور کسی جگہ سے جلی ہوئی ہوگی۔ پس کیا سبب ہے۔ کہ باوجود ہر روز مشاہدہ کے ہم صاف روٹی پکا نہیں سکیں گے۔ اور باوجودیکہ وقت بہت خرچ کریں گے لیکن کام بگاڑ دیں گے۔ اس کا یہی سبب ہے۔ کہ ہمارے پاس وہ علم نہیں۔ کہ جو اس شخص کو علم ہے۔ جو بیس برس سے ہر قسم کی روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا رہا ہے۔

صد ۳۱

اسی طرح دیکھ لو۔ کہ تجربہ کار ڈاکٹر کیسے کیسے نازک اپریشن کرتے ہیں یہاں تک کہ گردہ میں سے پتھری نکال لیتے ہیں۔ اور بعض ڈاکٹروں نے انسان کے سر کی بیکار اور زخم رسیدہ کھوپڑی کو کاٹ کر اسی قدر حصہ کسی اور جانور کی کھوپڑی کا اس سے پیوست کر دیا ہے۔ اور دیکھو وہ کیسی عمدگی سے بعض نازک اعضا کو چیرتے ہیں یہاں تک کہ انتڑیوں میں جو بعض پھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت صفائی سے ان پر عمل جراحی کرتے ہیں۔ اور نزول الماء کے موتی کو کیسی صفائی سے کاٹتے ہیں۔ اب اگر یہی عمل ایک دہقان بغیر تجربہ اور علم کے کرنے لگے۔ تو اگر آنکھوں پر کوئی نشتر چلاوے۔ تو دونوں ڈیلے نکال دیگا۔ اور اگر پیٹ پر چلاوے تو وہیں بعض اعضا کو کاٹ کر زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ اس دہقان اور ڈاکٹر میں فرق صرف علم کا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کو کثرت تجربہ اور عملی مزاولت سے ایک قسم کا

علم حاصل ہوگیا ہے۔ جو اس دہقان کو حاصل نہیں۔ دیکھو ہمیشہ شفاخانوں میں بیماروں کے لئے خدمت کرنے والے اور سقے وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ دیکھتے ہیں۔ کہ ڈاکٹر کس کس قسم کے اپریشن کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ آپ کرنے لگیں۔ تو بیشک کسی انسان کا خون کر دیں گے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ عملی مزاولت میں ایک خاص علم ہو جاتا ہے۔ جو دوسرے کو نہیں ہو سکتا اسی طرح آریہ صاحبوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ اگر ان کا پرمیشر روحوں اور ذرات عالم کا خالق ہوتا۔ تو اس کا علم موجودہ حالت سے بہت زیادہ ہوتا۔ اسی اقرار سے یہ بھی ان کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ ان کے پرمیشر کا علم ناقص ہے۔ کیونکہ بنانیوالا اور نہ بنانیوالا حقیقت شناسی میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اور خود جب مان لیا جائے۔ کہ پرمیشر نے نہ روحوں کو بنایا۔ نہ انکی قوتوں کو اور نہ ان کی خاصیتوں کو اور نہ پرمانو یعنی ذرات اجسام کو بنایا۔ اور نہ ان کی قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کو تو اس پر کیا دلیل ہے۔ کہ ایسے پرمیشر کو ان کی قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کا علم بھی ہے۔ یہ کہنا کافی نہیں ہے۔ کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ اس کو علم ہے۔ کیونکہ محض عقیدہ پیش کرنا کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور بفرض محال اگر کسی قدر علم مان بھی لیں۔ تو وہ علم اس علم کے برابر کب ہو سکتا ہے جو اس حالت میں ہوتا۔ کہ جبکہ پرمیشر نے روحوں اور ذراتِ عالم اور ان کی قوتوں اور خاصیتوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہوتا۔ کیونکہ تمام عقلمندوں کی یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ بنانے والے اور نہ بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن قرآن شریف ہمیں سکھلاتا ہے۔ کہ وہ روحوں اور ذرات عالم کی تمام اندرونی کیفیتیں اور قوتیں اور خاصیتیں جانتا ہے۔ اور قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے۔ کہ میں اس لئے اندرونی حالات ارواح اور ذرات کے جانتا ہوں۔ کہ میں ان سب چیزوں کا بنانے والا ہوں۔ لیکن وید کا پرمیشر کوئی دلیل نہیں دیتا۔ کہ بلا تعلق اور بلا واسطہ کیوں اور کس وجہ سے ارواح کی پوشیدہ قوتوں اور گنوں اور خواص کا اس کو علم ہے۔ اور ایسا ہی کیوں اور کس طرح ذرات اجسام کے نہاں در نہاں خواص اور طاقتوں اور گنوں پر اس کو اطلاع ہے۔

پھر ماسوا اس کے ہم خدا تعالیٰ کے علم کا اس کی تازہ بتازہ وحی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ غیب دان ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ہم اس کی قدرت کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر آریہ صاحبوں پر یہ دروازہ بھی بند ہے۔ اس لئے ان کے لئے اس بات پر یقین کرنے کے لئے کوئی راہ کھلی نہیں۔ کہ ان کا پرمیشر غیب دان ہے۔ یا قادر مطلق ہے۔ اور نہ وید ان کو اس درجہ کے حاصل کرنے کی کوئی بشارت دیتا ہے۔

ایسا ہی آریہ صاحبان خود اقراری ہیں۔ کہ ان کے پرمیشر کیلئے اپنے فیض الوہیت میں کمال تام حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ناقص طور پر لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا ہے۔ اور پھر کچھ مدت کے بعد ناکردہ گنہ مکتی خانہ سے باہر نکال لیتا ہے۔ تا سلسلہ تناسخ میں کچھ فرق نہ آوے۔ اس لئے اس کی سزا اور رحمت کا قاعدہ بھی خود غرضی کی آمیزش اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ اگر میں رحمت تامہ سے کام لوں اور سب کو ہمیشہ کے لئے نجات دے دوں۔ تو سلسلۂ تناسخ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ تو پھر بعد میں بے کار بیٹھنا پڑے گا۔ کیونکہ جس حالت میں روحیں محدود ہیں۔ یعنی ان کے شمار کی ایک مقدار تک حد مقرر ہے۔ تو اس صورت میں اگر ایک بھگت کو جو عبادت میں اپنی تمام عمر بسر کرتا ہے نجات ابدی دی جائے تو ظاہر ہے۔ کہ جو روح نجات پا گئی وہ ہاتھ سے گئی۔ اور تناسخ کے چکر سے آزاد ہوئی۔ پس بالضرورت ایک دن ایسا آجائیگا۔ کہ سب روحیں ہمیشہ کے لئے نجات پا جائیں گی اور یہ تو خود مانا ہوا مسئلہ ہے۔ کہ پرمیشر روح پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ پس اس صورت میں بجز اس کے کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی دن تمام روحوں کے دائمی مکتی پانے کے بعد پرمیشر گری کا تمام سلسلہ معطل پڑ جائے اور تناسخ کے لئے ایک روح بھی اس کے ہاتھ میں نہ رہے۔ پس اس تمام تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آریہ صاحبان کا پرمیشر جیسا کہ روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ ایسا ہی وہ روحوں کو نجات ابدی دینے پر بھی قادر نہیں کیونکہ اگر وہ روحوں کو نجات ابدی دے دے تو اس کا تمام سلسلہ ٹوٹتا ہے۔ اس لئے اپنی تمام عملداری کے محفوظ رکھنے کے لئے بخل کی عادت کو اس نے لازم

۴۴۳

پکڑلیا ہے۔ اور اپنے راستباز پرستاروں کے ساتھ بخیلوں کی طرح کارروائی کرتا ہے۔ اور بار بار عزت کے بعد ان کو ذلت دیتا ہے۔ اور تناسخ کے چکر میں ڈال کر مکروہ در مکروہ صورتوں میں ان کو ڈالتا ہے۔ محض اس لئے کہ تا اس کی عملداری میں فرق نہ آوے۔ اس بات کا آریہ صاحبوں کو خود اقرار ہے۔ کہ اس نے بارہا دُنیا کے کل انسانوں کو نجات دے دی ہے۔ مگر پھر کچھ مدت کے بعد اس نجات خانہ سے باہر نکال کر طرح طرح کی جونوں میں ان کو ڈال دیا ہے۔ اب آریہ صاحبان ناراض نہ ہوں۔ ہم ادب سے عرض کرتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمیں نرم الفاظ مل سکتے ہیں ان میں ہماری یہ گذارش ہے۔ کہ اس عقیدہ پر ایک سخت اعتراض ہوتا ہے۔ اور ہم امید نہیں کرتے کہ اس اعتراض کا کوئی آریہ صاحب صفائی سے جواب دے سکے۔ اور اگر جواب دیں تو ہم خوشی سے سُنیں گے۔ اور اعتراض یہ ہے۔ کہ جبکہ خود غرضی کی ضرورت کی وجہ سے پرمیشر کی یہ عادت ہے۔ کہ وہ مکتی خانہ میں ہمیشہ لوگوں کو رہنے نہیں دیتا۔ اور پھر طرح طرح کی جونوں میں ڈالتا ہے۔ تو ان مختلف جونوں سے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ یعنے جو لوگ پرمیشر کے سچے بھگت ہو کر نجات پا چکے ہیں۔ اب مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے وقت کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت اور کسی کو گائے اور کسی کو بیل۔ اور کسی کو کتا اور کسی کو سؤر۔ اور کسی کو بندر اور کسی کو بھیڑیا۔ اس میں خلاف عدالت طریق معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جس حالت میں ہر یک مکتی پانے والا سخت امتحان کے بعد مکتی پاتا ہے۔ اور کروڑہا برس تناسخ کے چکر میں رہ کر پھر کہیں اس مراد تک پہنچتا ہے۔ تو کم سے کم اس کے لئے یہ رعایت تو ہونی چاہیئے تھی۔ کہ وہ انسان بنایا جاتا۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ اپنا پیارا بنا کر اور اپنے قرب سے شرف بخش کر پھر آخر کار اس کو کتا یا سؤر بنا کر مکتی خانہ سے باہر نکال دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ کے اشخاص کو کتا نہ بنایا۔ بلکہ انسان بنایا۔ حالانکہ مکتی پانے کے شرائط سب نے برابر پورے کرلئے تھے۔ پرمیشر کا کسی پر احسان نہ تھا۔ پھر کیا وجہ کہ مکتی خانہ سے نکال کر کسی کو انسان اور کسی کو کتا بنایا گیا۔ اس صورت میں نہ سزا عدل کے طور پر ہوئی۔ اور نہ رحمت۔

ملاء

ایک اور بات ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیا کوئی شریف آریہ صاحب ہیں۔ جو اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بموجب اس قاعدہ کے جو مکتی یابوں کو ایک مدت کے بعد پھر تناسخ کے چکر میں ڈالا جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے جونوں کی ذلت ان کو دیکھنی پڑتی ہے۔ لازم آتا ہے۔ کہ آریہ صاحبوں کا کوئی مقدس بزرگ اس ذلت سے باہر نہ ہو۔ گو ہماری یہ رائے نہیں ہے۔ کہ ہم کسی قوم کے بزرگوں کو ذلت کے داغ کی طرح منسوب کریں۔ بلکہ ہماری یہ رائے ہے کہ جس شخص کو خدائے کریم اپنے فضل عظیم سے اپنی معرفت اور محبت اور اپنے پاک تعلق سے حصہ کامل بخشتا ہے۔ اور اپنے عزت والے گروہ میں داخل کرتا ہے۔ پھر اس کو کبھی ذلیل نہیں کرتا۔ اور ممکن نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا اتنا بڑا درجہ پا کر پھر کتا یا بلا یا سور یا بندر بنایا جاوے۔ مگر آریہ صاحبوں کا یہ قاعدہ چاہتا ہے۔ کہ ضرور مقدس لوگ ان جونوں میں آتے ہیں۔ خواہ وہ اوتار کہلاویں یا رشی یا مُنی کے درجہ تک پہنچیں۔ ہم بادب دریافت کرتے ہیں۔ کہ کیا وید کے رشی جن پر چاروں وید نازل ہوئے تھے۔ اور راجہ رامچندر اور راجہ کرشن وغیرہ اوتار اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں یا نہیں۔ اور اگر مستثنیٰ ہیں تو کیا وجہ اور اگر نہیں۔ تو ان کو عزت سے یاد کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیا عقل سلیم اس بات کو چاہتی ہے۔ کہ ایک کتاب کو تو عزت دی جائے۔ اور اس کو آسمانی کتاب سمجھا جائے۔ مگر جس پر وہ کتاب نازل ہوئی تھی۔ اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے۔ کہ وہ رذیل سے رذیل جونوں میں چکر کھاتا پھرتا ہے۔ غرض جو لوگ خدا تعالیٰ کی جناب میں ایک مرتبہ عزت پا گئے۔ پھر ان کو تناسخ کے چکر میں ڈالنا اور کتے۔ بلے۔ سور بنانا۔ یہ اُس قدوس خدا کا فعل نہیں ہے۔ جو پاک بنا کر پھر پلید بنانا نہیں چاہتا۔ ورنہ اس صورت میں آریہ سماجیوں کا کوئی بزرگ بھی یقینی طور پر قابل تعریف نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ کیا معلوم کہ اب وہ کس جُون میں ہے۔ غرض اس عقیدہ کے رُو سے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف بخل کی صفت مذمومہ سے موسوم ہوتا ہے۔ بلکہ سخت دل اور ظالم اور کینہ ور بھی ٹھہرتا ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس کے ساتھ سچے دل سے

ص۳۵

محبت کی۔ اور اس کی راہ میں فدا ہوئے اور اس کو ہمیشہ کے لئے اختیار کیا۔ وہ ان کو بھی مکتی خانہ سے نکال کر اسی وقت یا کچھ دن بعد بندر اور سوئر بنا دیتا ہے۔ ایسے پرمیشر سے کونسی نیکی کی امید ہو سکتی ہے۔ چاہیئے کہ آریہ صاحبان اس مضمون کو غور سے مطالعہ کریں اور محض جوش اور غضب سے جواب نہ دیں۔ بلکہ اول بات کو سمجھ لیں پھر کوئی کلمہ مُنہ پر لاویں۔

آریہ سماجیوں کا یہ دعوٰے ہے۔ کہ وید میں عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کی تعلیم نہیں ہے اور اس میں محض خدائے واحد لاشریک کی پرستش کی تعلیم ہے۔ لیکن ان کے مقابل پر قدیم مذہب سناتن دھرم کا ہے۔ جو تمام آریہ ورت میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کے کروڑہا باشندے اس ملک میں موجود ہیں۔ اور صدہا پنڈت جا بجا پائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے۔ کہ ضرور عناصر پرستی کی تعلیمیں وید میں پائی جاتی ہیں۔ اور بلاشبہ وید یہی ہدایت کرتا ہے۔ کہ تم آگ کی پرستش کرو۔ ہوا کی پرستش کرو۔ پانی کی پرستش کرو۔ زمین کی پرستش کرو۔ سورج کی پرستش کرو۔ چاند کی پرستش کرو۔ اور اسی وجہ سے آریہ ورت میں قدیم سے ان چیزوں کے پرستار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ گنگا کی پرستش کرنے والے اور کانگڑہ میں جوالا مکھی کی آگ کے پرستش کرنے والے اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اب تک جا بجا ان پرستشوں میں مشغول ہیں اور یہ سب لوگ وید کی پابندی کا دعوٰے کرتے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے جب کہ ہم خود بھی ایمان اور انصاف کی رُو سے ان ویدوں پر غور کرتے ہیں۔ جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع کئے گئے ہیں۔ تو صدہا شرتیوں پر نظر ڈال کر ضرور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ بلاشبہ ان ویدوں میں آگ اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ سے دُعائیں مانگی گئی ہیں۔ اور مرادوں کے پانے کے لئے ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔ چنانچہ ہم چند شرتیاں **رگ وید** کی اس جگہ محض نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔ اور یہ حصہ وید کا ترجمہ ہو کر سنسکرت پستک سے دوبارہ مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور پنڈتوں کی شہادتوں کے ساتھ اس کی صحت کی اطمینان دلائی گئی ہے۔ اور یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے قبول کیا گیا ہے۔ اور وہ شرتیاں یہ ہیں:۔

ح۳۶

میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑے
ثروت والا ہے۔ مہما کرتا ہوں۔ ایسا ہو کہ اگنی جس کی مہما زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے
رشی کرتے چلے آئے ہیں۔ دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ اے اگنی جو کہ دو لکڑیوں کے
رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے۔ اس پاک کئے ہوئے کشا پر دیوتاؤں کو لا۔ تو ہماری جانب سے
اُن کا بلانے والا ہے۔ اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اے اگنی آج ہماری خوش ذائقہ قربانی
دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے واسطے پیش کر۔ اے اگنی، وایو۔ سورج وغیرہ دیوتاؤں کو
ہماری نذر پیش کر۔ اے بے عیب اگنی تو منجملہ اور دیوتاؤں کے ایک ہوشیار دیوتا ہے
جو اپنے والدین کے پاس رہتا ہے۔ اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے۔ تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے
والا ہے۔ اے اگنی سُرخ گھوڑوں کے سوامی ہماری استت سے پرسن ہو۔ ۳۳ دیوتاؤں کو
یہاں لا۔ اے اگنی جیسا کہ تو ہے لوگ اپنے گھروں میں تجھے محفوظ جگہ میں روشن کرتے ہیں۔
اے عاقل اگنی تو پناپت ہے۔ یعنی اپنے جسم کا آپ جلانے والا ہے۔ آج ہماری خوش ذائقہ
قربانی دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے لئے پیش کر۔ اے اندر اے وایو یہ ارگ تمہارے
واسطے چھڑکا گیا ہے۔ ہمارے واسطے کھانا لے کر ادھر آؤ۔ اے اندر کوسیکا رشی کے پُتر
جلد آ۔ اور مجھ رشی کو مال دار کردے[1]۔ اے سورج اور چاند ہمارے یگ کو کامیاب
کرو۔ اور ہماری قوت زیادہ کرو۔ تم بہت آدمیوں کے فائدے کیلئے پیدا ہوئے ہو۔ بہتوں کو

[1] تمام پرانوں کے شجرہ میں لکھا ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر اور سیانا وید کا بھاشیکار
اس کی وجہ بیان کرنے کو کہ اندر کوسیکا کا کیونکر پوتر ہو گیا۔ یہ قصہ بیان کرتا ہے۔ جو کہ وید کے
تمہ انوکرامینکا میں درج ہے۔ کہ کوسیکا اشرانتھا کے پُتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی
توجہ سے میرا بیٹا ہو۔ تپ جپ اختیار کیا تھا۔ جس تپ کے بدلے میں خود اندر نے ہی اوس کے
گھر جنم لے لیا۔ اور آپ ہی اس کا بیٹا بن گیا۔ منہ

تمہارا ہی آسرا ہے (غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ ایک طرف اس شرتی میں اقرار ہے۔ کہ سورج اور چاند دونوں مخلوق اور پیدا شدہ ہیں۔ اور پھر ان سے مرادیں بھی مانگی گئی ہیں) سورج کے نکلنے پر ستارے اور رات چوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ ہم سورج کے پاس جاتے ہیں۔ جو دیوتاؤں کے بیچ نہایت عمدہ دیوتا ہے۔ اے چاند ہمیں تہمت سے بچا۔ گناہ سے محفوظ رکھ۔ ہمارے توکل سے خوش ہو کر ہمارا دوست ہو جا۔ ایسا ہو۔ کہ تیری قوت زیادہ ہو۔ اے چاند تو دولت کو بخشنے والا ہے۔ اور مشکلوں سے نجات دینے والا۔ ہمارے مکان پر دلیر بہادروں کے ہمراہ آ۔ اے چاند اور اگنی تم مرتبہ میں برابر ہو۔ ہماری تعریفوں کو آپس میں بانٹ لو۔ کہ تم ہمیشہ دیوتاؤں کے سردار رہے ہو۔ میں جل دیوتا کو جس میں ہمارے مویشی پانی پیتے ہیں بلاتا ہوں۔ اے دھرتی دیوتا ایسا ہو۔ کہ تو بہت وسیع ہو جائے۔ تجھ پر کانٹے نہ رہیں۔ اور تو ہمارے رہنے کی جگہ ہو جائے۔ اور ہمیں بڑی خوشی دے۔ یہ چند شرتیاں ہیں۔ جو ہم نے رگ وید سے بطور نمونہ کے لکھی ہیں۔ جس کا جی چاہے۔ اصل سنسکرت پستک سے مقابلہ کرے۔ اس قسم کی شرتیاں جو صدہا وید میں پائی جاتی ہیں۔ سناتن دھرم والے ہزارہا پنڈت جو آریہ ورت میں موجود ہیں۔ ان کے یہی معنے کرتے ہیں کہ ان سے عناصر پرستی ثابت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے آریہ قوم میں آگ کی پوجا کرنے والے اور ایسا ہی پانی کی پوجا کرنے والے اور سورج چاند کے پوجاری بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ان معنوں پر صرف انہی کی گواہی نہیں بلکہ برہمو مذہب کے صدہا محقق بھی جنہوںؔ نے بڑی محنت سے سنسکرت میں چاروں وید پڑھے تھے آج تک گواہی دیتے آئے ہیں۔

اب غور کا مقام ہے۔ کہ ان سب کے مقابل پر صرف ایک پنڈت دیانند جس کو کوئی وحی الہام نہیں ہوتا تھا۔ دعوے کرتا ہے۔ کہ یہ سب پرمیشر کے نام ہیں۔ اور پھر وہ اس دعویٰ کو بھی اخیر تک نباہ نہیں سکا۔ بلکہ بعض مقام میں جہاں کسی طرح اس کی تاویل پیش نہیں گئی آپ قبول کر لیا ہے۔ کہ اس جگہ آگ سے آگ ہی مراد ہے۔ یا جل سے جل ہی مراد ہے۔ اصل

ص۴۸۰

انصاف کی یہ بات ہے۔ کہ پنڈت دیانند وید کی تاویل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ایک دوسرا وید بنانا چاہتا تھا۔ آخر تاویل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ وہ خدا کے آسمانی بندوں میں سے تو نہیں تھا۔ جو خدا سے الہام پاتے ہیں۔ اور نہ اس کو خدا کا مکالمہ نصیب تھا۔ اور نہ اس کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہوئے بلکہ وہ بلا امتیاز صدہا ہندو پنڈتوں میں سے ایک پنڈت تھا۔ پھر خواہ نخواہ بے دلیل اس کی بات کو ماننا انصاف سے بعید ہے۔ جبکہ ہزارہا پنڈت ایک طرف ہیں۔ اور ایک طرف صرف وہ اور خدا کی طرف سے کوئی امتیازی نشان اس کے ساتھ نہیں۔ اور بجز تاویلوں کے اور کوئی کام اس نے نہیں کیا۔ تو کیوں بغیر تحقیق کے خواہ نخواہ اس کی بات مان لی جائے۔ یہ صرف مسلمانوں کا الزام نہیں۔ کہ ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے۔ بلکہ سناتن دھرم والے قدیم ہندو جن کے مذہب کے کروڑہا لوگ اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ وہ بھی اس بات کے ہمیشہ سے قائل چلے آتے ہیں۔ کہ وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے۔ میں ہرگز سمجھ نہیں سکتا۔ کہ اگر وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم نہ ہوتی۔ تو پھر کیوں یہ ہزارہا پنڈت یک دفعہ اندھے ہو جاتے اور خلاف واقعہ وید پر تہمتیں لگاتے۔ عناصر پرستی کی شرتیاں صرف ایک دو نہیں۔ بلکہ تمام رگ وید ان سے بھرا پڑا ہے۔ اب کہاں تک انسان تاویل کرتا جاوے۔ اگر دو شرتیاں ہوتیں یا دس ہوتیں یا بیس ہوتیں یا پچاس ہوتیں۔ تو کوئی شخص تکلف سے محنت اٹھا کر تاویل بھی کرتا۔ مگر وید میں تو صدہا شرتیاں اسی قسم کی پائی جاتی ہیں۔ ان کی کہاں تک تاویل ہو سکے۔ تعصب الگ امر ہے۔ اور گرفتار تعصب جو چاہے کہے۔ لیکن انصاف کے ساتھ اگر سوچا جائے۔ تو کوئی صورت تاویل کی معلوم نہیں ہوتی۔

آریہ سماجیوں کے دل میں خواہ نخواہ یہ وہم پیدا ہو گیا ہے۔ کہ جو کچھ پنڈت دیانند نے سمجھا ہے وہ دوسرے ہزارہا پنڈتوں نے نہیں سمجھا۔ لیکن یہ خیال بالکل بیہودہ ہے۔ وید سامنے موجود ہے۔ اور وہ تین فرقوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک سناتن دھرم والے دوسرے برہم سماج والے۔ تیسرے وید کے

ترجمے جو اُردو اور انگریزی میں ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں کوئی قبول کر سکتا ہے کہ اس رائے کے ظاہر کرنے میں کہ ویدوں میں مخلوق پرستی ہے ان تمام لوگوں کی عقل ماری گئی۔ اور صرف پنڈت دیانند صاحب اس دھوکہ سے بچ گئے۔ ہاں میرے خیال میں ایک بات آتی ہے۔ اگر اس امر کو آریہ سماجی لوگ ثابت کر سکیں۔ تو پھر پنڈت دیانند کی تاویل صحیح ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جسقدر شدو مد سے ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے چند شرتیاں نمونہ کے طور پر لکھی ہیں۔ اس کے مقابل پر ویدوں میں سے بکثرت ایسی صاف صاف شرتیاں پیش کر دی جائیں۔ جن میں یہ بیان ہو۔ کہ تم نہ تو آگ کی پرستش کرو۔ اور نہ ہوا کی اور نہ سورج کی۔ اور نہ چاند کی اور نہ کسی اور چیز کی بلکہ محض پرمیشر کی ہی پرستش کرو۔ مگر چاہیئے کہ ایسی شرتیاں کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں عناصر پرستی اور شمس و قمر کی پوجا کے بارے میں صدہا شرتیاں وید میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان کے ردّ میں صرف دو چار شرتیاں کافی نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہم گذرتا ہے۔ کہ کسی نے وید کی پردہ پوشی کے لئے پیچھے سے ملادی ہوں گی۔ اسی فیصلہ کے لئے میں نے یہ گذارش کی ہے۔ اگر ایسی شرتیاں جو مخلوق پرستی کے وہم کو ردّ کرتی ہوں بہت ہی تھوڑی ہوں۔ تب بھی کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہونی چاہئیں۔ تا کسی وہم کی گنجائش نہ رہے۔ اور اگر مشرکانہ تعلیم کی کثرت کے مقابل ایسی شرتیوں کی کثرت ثابت نہ ہو۔ تو اگر ایک پنڈت دیانند نہیں۔ کروڑہا پنڈت دیانند ہوں۔ ہرگز ان مشرکانہ شرتیوں کی تاویل میں ایمانداری سے جواب نہیں دے سکے گا۔ ظاہر ہے۔ کہ وید کی ان تعلیموں سے کروڑہا مخلوقات گمراہ ہو چکی ہے۔ اور بیسیوں مخلوق پرستی کے مذہب آریہ قوم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پس اگر فرض کے طور پر پنڈت دیانند کی طرح کسی اور وید کے بھاشیہ کار نے بھی ان شرتیوں کی وہی تاویل کی ہو۔ جو دیانند نے کی ہے۔ تو وہ ہرگز پذیرائی کے لائق نہیں ہو گی۔ کیونکہ ایسی تاویل کرنے والے کو وحی اور الہام کا دعوے نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی شخص نے جس کو مشرکانہ تعلیم بُری معلوم ہوئی ہو۔ وید کی ان شرتیوں پر اپنی تاویل سے پردہ ڈال دیا ہو۔ تو جبکہ اس کے مقابل

دوسرے بھاشی کاروں نے قبول کیا ہے۔ کہ ضرور اس میں مشرکانہ تعلیم ہے۔ تو دو مختلف رائیوں کے ساتھ فیصلہ کیونکر ہو۔ اور ایسے بے اصل خیالات سے گو وہ قدیم ہوں یا جدید۔ قطعی طور پر ہرگز یہ رائے قائم نہیں ہو سکتی۔ کہ وید اس داغ سے مبرا ہے۔ کیونکہ ہم دوسرے بھاشی کاروں کی شہادت کو کہاں چھپائیں۔ اور جس طور کے معنی کروڑہا لوگ ابتداء سے سمجھتے چلے آئے ہیں۔ ان معنوں سے بلاوجہ کیونکر اعراض کیا جائے۔ یہ وید کا خود اپنا فرض تھا۔ کہ جس حالت میں اس نے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے قوم شرک کی نجاست سے آلودہ ہو گئی۔ تو وہ دھوکہ دور کرنے کے لئے آپ ہی پچاس یا ساٹھ یا سو مرتبہ تاکید کے طور پر بار بار لکھ دیتا۔ کہ تم سورج چاند آگ پانی وغیرہ کی پرستش ہرگز نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایک اور امر ہے۔ جو قرآن شریف کی تعلیم سے ہمیں معلوم ہوا ہے۔ اور ہم تکمیل بحث کے لئے اس کا ذکر بھی اس جگہ مناسب سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں خیال گذرتا ہے۔ کہ شاید رگ وید کی شرتیوں کا بھی یہی منشا ہو۔ اور پھر ایک زمانہ گذرنے کے بعد وہ منشاء سطحی نظروں سے چھپ گیا ہو اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ابتداء زمانہ میں ایسی شرتیاں وید میں بہت ہوں۔ جن کا مضمون یہ ہو۔ کہ آگ اور پانی اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ کی پرستش نہیں کرنی چاہیئے۔ پھر بعد میں جبکہ آریہ ورت میں ایسے فرقے بہت پیدا ہو گئے جو وید کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر عناصر پرست اور آفتاب پرست وغیرہ بن گئے۔ تو رفتہ رفتہ انہوں نے وہ شرتیاں وید میں سے نکال دیں۔ کیونکہ طبعاً انسان میں یہ عادت ہے۔ کہ جب وہ اپنی عقل اور فہم کی حد تک دو مخالف مضمون کو ایک کتاب میں دیکھتا ہے۔ تو کوشش کرتا ہے۔ کہ کسی طرح ان دونوں کو مطابق کرے۔ اور جب مطابق نہیں کر سکتا تو پھر اس کوشش میں لگ جاتا ہے۔ کہ کسی طرح اس حصہ کو نکال دے کہ جو اس کے مسلّم حصہ کے مخالف ہے۔ جیسا کہ عیسائی صاحبان بھی دن رات یہی کوشش کر رہے ہیں۔ اور انجیل

صـ۴۱۴

کے وہ حصے جن میں صریح گواہی دی گئی ہے۔ کہ یسوع ابن مریم انسان تھا۔ وہ ان پر بہت ناگوار گذر رہے ہیں۔ اگر ان کے مشورہ سے انجیلیں لکھی جاتیں۔ تو بہت سے مقامات انجیل کے نکال دینے کے لائق تھے۔ اور حتی المقدور اب بھی یہ کارروائی مختلف ترجموں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس تقریر کے لحاظ سے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ جس کو ہم نے نہ اپنی طرف سے بلکہ قرآن شریف کی طرف سے استنباطاً لکھا ہے۔ ممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید بھی کسی زمانہ میں خدا کی وحی ہو۔ اور خدا کی طرف سے یہ کتاب ہو۔ اور پھر ایک مدت کے بعد اس کے اصلی معنوں کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کھائی اور اس وجہ سے آریہ ورت میں آریہ قوم میں یہ فرقے پیدا ہو گئے۔ کہ کوئی سورج کی پوجا کرتا ہے اور کوئی آگ کا پجاری اور کوئی گنگا سے مرادیں مانگتا ہے۔ اور جب ان فرقوں نے دیکھا۔ کہ وید کی صدہا دوسری شرتیاں مخلوق پرستی کے مخالف ہیں۔ تب انہوں نے رفتہ رفتہ ان تمام شرتیوں کو وید میں سے باہر نکال دیا۔ اور صرف وہی شرتیاں وید میں رہنے دیں جو مشرکانہ تعلیم کے رنگ میں تھیں۔ اگر یہ امر ثابت ہو جائے۔ کہ درحقیقت ایسی صدہا شرتیاں وید میں سے نکال دی گئی ہیں تو کم سے کم ایک خداترس کو تقویٰ کے لحاظ سے وید کے بارے میں جلدی سے تکذیب کرنا منع ہوگا۔ اور وید کی تکذیب کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں ہوگا۔ کہ اس میں آگ وغیرہ کی پرستش واستت وبہما موجود ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کی بعض آیات جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ وید کے اس طرز کو توحید میں داخل کرتی ہیں۔ اور گو عناصر پرستی کے متعلق بعض شرتیاں وید میں اس قسم کی ہیں۔ کہ ان کی تاویل کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اس طور پر جو قرآن شریف میں اشارات مذکور ہیں۔ بعض شرتیوں کی تاویل بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہم اس قاعدہ کو ذیل میں لکھیں گے۔ اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ گو وید اپنی موجودہ حالت میں ایک دھوکا دینے والی کتاب ہے۔ جو شرک کی تعلیم جا بجا

اس میں دکھائی دیتی ہے۔ اور کروڑ ہا لوگوں پر اس کا یہ بد اثر پایا جاتا ہے۔ کہ وہ آتش پرستی وغیرہ مشرکانہ طریقوں میں سرگرم ہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو ستارہ پرستی اور آتش پرستی پارسیوں میں موجود ہے۔ وہ بھی وید سے ہی انہیں پہنچی ہے۔ اور تعجب نہیں کہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی یہ مشرکانہ تعلیمیں وید کے ذریعہ سے ہی رواج پائی ہوں۔ کیونکہ آریہ قوم کا خیال ہے۔ کہ وید قدیم ہے۔ لہٰذا ہر ایک جھوٹی اور مشرکانہ تعلیم کا سرچشمہ ایسی کتاب کو ہی ماننا پڑے گا جو سب سے پرانی کہلاتی ہے۔ پس وہ نمونہ جو وید کی تعلیم نے دکھلایا ہے۔ وہ ان کروڑ ہا لوگوں کے عقیدوں سے ظاہر ہے۔ جو وید کی پابندی کا دعوےٰ رکھتے ہیں۔ اور موجودہ حالت میں وید میں کوئی نور توحید نظر نہیں آتا۔ ہر ایک صفحہ پر مشرکانہ تعلیم کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ اور بے اختیار دل میں گذرتا ہے۔ کہ یہ چار کا عدد ہی شرک سے کچھ مناسبت رکھتا ہے۔ انجیلیں چار تھیں۔ انہوں نے ایک مصنوعی خدا پیش کیا۔ اور پھر وید بھی چار ہیں۔ انہوں نے آگ وغیرہ کی پرستش سکھلائی۔ لیکن تاہم ممکن اور قرین قیاس ہے۔ کہ یہ کتاب تحریف کی گئی ہو۔ اور کسی زمانہ میں صحیح ہو۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو اور پھر نادانوں کے تصرف اور تحریف سے بگڑ گئی ہو۔ اور وہ شرتیاں اس میں سے نکال دی گئی ہوں۔ جن میں یہ ذکر تھا۔ کہ تم سورج اور چاند اور ہوا اور آگ اور پانی اور اکاش اور خاک وغیرہ کی پرستش مت کرو۔ اگرچہ اس قدر تغیر اور انقلاب سے یہ کتاب خطرناک اور مضر ہوگئی۔ تاہم کسی زمانہ میں بےکار نہ تھی۔ اور جس شخص کو ہندوؤں کی تاریخ سے واقفیت ہے۔ وہ خوب جانتا ہے۔ کہ وید پر بڑے بڑے تغیرات آئے ہیں۔ اور ایک زمانہ میں ویدوں کو مخالفوں نے آگ میں جلا دیا تھا۔ اور مدت تک وہ ایسے لوگوں کے قبضہ میں رہے۔ جو عناصر پرستی اور مورتی پوجا کے دلدادہ تھے۔ اور بجز اس قسم کے برہمنوں کے دوسروں پر ان کا پڑھنا حرام کیا گیا تھا۔ پس اس وجہ سے وید کے پستک عام طور پر مل نہیں سکتے تھے۔ بلکہ صرف بڑے بڑے برہمنوں کے کتب خانوں میں ہی پائے جاتے

تھے۔ جو بُت پرست اور عناصر پرست ہو چکے تھے۔ اس صورت میں خود عقل قبول کرتی ہے۔ کہ ان دنوں میں ان برہمنوں نے بہت کچھ مشرکانہ حاشیئے وید پر چڑھائے ہوں گے۔ اور اس بات کے اکثر محقق آریہ ورت کے قائل ہیں۔ کہ بعض زمانوں میں وید بڑھائے گئے۔ اور بعض میں گھٹائے گئے۔ اور بعض وقت جلائے گئے۔ اور جب آریہ قوم نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت پائی۔ تو بیرونی حکومتوں کے پنجہ میں پھنس گئے۔ اسلامی حکومت بھی سات سو برس تک اس ملک میں رہی۔ اس لمبے زمانہ میں بھی جو کچھ مسلمانوں نے آریہ قوم کا عقیدہ دیکھا۔ وہ بُت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ تھا۔ اسی زمانہ میں شیخ سعدی بھی ایک مرتبہ اس ملک میں آئے تھے۔ اور بُت پرستی کا بڑا زور تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب بوستان میں فرماتے ہیں:۔

بُتک را یکے بوسہ دادم بدست　　　　کہ لعنت برو باد و بر بُت پرست

گائے کے لئے جس قدر آریہ صاحبوں کو جوش ہے۔ وہ بھی درا صل مخلوق پرستی کی ایک جڑھ ہے ورنہ ایک حیوان کے لئے اس قدر جوش کیا معنے رکھتا ہے۔ قریبًا تیرہ سو برس ہوتے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے اس ملک کا ایک حصہ فتح کر لیا تھا۔ اس وقت بھی اس ملک میں عام طور پر بُت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ پھیلی ہوئی تھی۔ پس جہاں تک تاریخ کا قدم روشنی میں ہے۔ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آریہ ورت پر کوئی ایسا زمانہ بھی آیا تھا۔ کہ وہ خدا پرست تھے۔

مسلمانوں پر یہ اعتراض آریوں کا کہ ان کے بادشاہوں نے ہمارے بزرگوں کو جبرًا بُت پرستی سے چھڑا کر مسلمان بنایا تھا۔ یہ بھی صاف بتلا رہا ہے۔ کہ اب تک آریہ صاحبوں کو بُت پرستی سے بہت پیار ہے۔ عملی طور پر توحید سے کچھ تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ اس پر یہ کافی دلیل ہے۔ کہ وہ بُت پرستوں کے مسلمان ہونے سے بہت ناراض ہیں۔ ایک بُت پرست حقیقت رائے کا قصہ بھی اسی غرض سے گھڑا گیا ہے۔ جس کو بقول اُن کے کسی مسلمان بادشاہ نے مورتی پوجا سے جبرًا چھڑا کر مسلمان کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ لڑکا بُت پرستی پر

عاشق تھا۔ اسی میں اسنے جان دے دی۔

غرض اسلامی تاریخ بھی قریبًا ایک ہزار برس سے اس بات کی گواہ ہے۔ کہ یہ ملک آریہ ورت بُت پرستی اور مورتی پوجا کا ایک بھاری مرکز ہے۔ اس زمانہ کا کون ثبوت دے سکتا ہے۔ کہ جب ان کروڑ ہا لوگوں کی طرح جو بُت پرست اور عناصر پرست نظر آتے ہیں۔ وید مقدس کی تعلیم سے اس ملک میں کروڑ ہا خدا پرست مُوحّد بھی موجود تھے۔ جگن ناتھ جی کا قدیم بُت خانہ اور ایسا ہی اور بعض پُرانے بُت خانے جن کی عمارت ہزار ہا برس کی معلوم ہوتی ہے۔ صاف طور پر گواہی دے رہے ہیں۔ کہ بُت پرستی اور مورتی پوجا کا مذہب کچھ نیا نہیں۔ بلکہ قدیم ہے۔ ایسا ہی بھاگوت وغیرہ کتابیں جو ہزار ہا برس کی تالیف معلوم ہوتی ہیں۔ جن کو سناتن دھرم والے سیدھے سادے ہندو بڑے پیار سے پڑھا کرتے ہیں اس قدامت شرک کے گواہ ہیں۔ اسکے ساتھ پُرانے کتبے بھی اس ملک میں ایسے پائے گئے ہیں۔ کہ وہ ایک پُرانے زمانے کی حالت کی ایک آئینہ کی طرح شکل دکھلا رہے ہیں۔ اور بلند آواز سے گواہی دے رہے ہیں۔ کہ اس وقت بھی اس ملک میں بُت پرستی تھی۔ اور جہاں تک تاریخ کا سلسلہ صفائی سے چل سکتا ہے۔ یہی ظلمت شرک۔ اور عناصر پرستی اور مورتی پُوجا کی رسوم ہر ایک زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور ایسی گلے کا ہار ہو رہی ہیں۔ کہ جب تک ایک ہندو اسلام اختیار نہ کرے۔ یہ شرک کا داغ اسکے بکلی دُور ہی نہیں ہو سکتا۔ گو آریہ سماجی بنے یا کچھ اور ہو جائے۔ زمانہ دراز سے جس کا ابتداء معلوم کرنا مشکل ہے۔ مورتی پُوجا اور عناصر پرستی کا مذہب آریہ قوم میں چلا آتا ہے۔ اور دوسری قوموں کے مورخوں کو کبھی یہ نصیب نہیں ہوا۔ کہ وہ گواہی دیں۔ کہ آریہ ورت میں بھی کسی وقت توحید تھی۔ اور اس زمانۂ دراز میں اگر ہم یہ کہیں کہ کروڑ ہا پنڈت آریہ ورت میں عناصر پرستی کے حامی گذرے ہیں۔ تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ پس ایسے پنڈتوں کے وجود سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ہمیشہ تمام ملک ایک سمندر کی طرح بُت پرستی

اور عناصر پرستی اور مورتی پوجا سے بھرا رہا ہے۔ اور اس ملک کو توحید نصیب نہ ہوئی۔ جب تک اسلام اس ملک میں نہ آیا۔ مگر جن بادشاہوں نے توحید کو اس ملک میں پھیلایا۔ اور بُت پرستی کی جڑھ کھوئی۔ وہی آریہ صاحبوں کی نظر میں بُرے بنے۔ اب تک ہندو صاحبان محمود غزنوی کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ کہ اس نے کیوں ان کے قدیم بُت خانے توڑے۔ غرض بت پرستی اور عناصر پرستی کا مذہب اس ملک میں اس قدر قدیم ہے کہ محققانہ طور پر اس کا کوئی ابتداء ٹھہرانا مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ اس مذہب کو وید کے ساتھ ساتھ تسلیم کیا جائے۔ مگر پھر بھی جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ مجھے بعض قرآنی آیتوں پر نظر ڈال کر خیال آتا ہے۔ کہ شاید اصل تعلیم ویدکی عناصر پرستی سے پاک ہو۔ اور عناصر کی مہما اور استت سے کچھ اور مطلب ہو۔ مگر جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔ یہ میرا خیال اس وقت یقین کے مرتبہ تک پہنچے گا۔ جبکہ وید کی پچاس یا ساٹھ یا ستّر شرتیوں سے یہ ثابت ہو جائے۔ کہ وہ ان تمام عناصر اور اجرام فلکی کی پوجا سے جن کی مہما اور اُستت رگ وید میں موجود ہے۔ صاف اور صریح لفظوں کے ساتھ منع کرتا ہے۔

صفحہ ۴۵۴

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کے لکھنے کا ہم نے وعدہ کیا تھا

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کا میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں۔ قرآن شریف کی چند آیتوں پر غور کرنے سے میرے دل میں گذرتی ہے۔ پہلی آیت یہ کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف کی سُورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔ یعنی ہر ایک حمد اور ثنا اس خدا کے لئے مسلم ہے۔ جس کی تربیت ہر ایک عالم میں یعنی ہر ایک رنگ میں ہر ایک

پیرایہ میں اور ہر ایک فائدہ بخش صنعت الٰہی کے ذریعہ سے مشہود اور محسوس ہو رہی ہے۔
یعنی جن جن متفرق وسیلوں پر اس دُنیا کے لوگوں کی بقا اور عافیت اور تکمیل موقوف ہے۔
در اصل ان کے پردہ میں ایک ہی پوشیدہ طاقت کام کر رہی ہے۔ جس کا نام اللہ ہے۔
چنانچہ اس دُنیا کے کاروبار کی تکمیل کے لئے ایک قسم کی تربیت سُورج کر رہا ہے۔ جو
ایک حد تک انسان کے بدن کو گرمی پہنچا کر دورانِ خون کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔
جس سے انسان مرنے سے بچتا ہے۔ اور اس کی آنکھوں کے نُور کی مدد کرتا ہے۔ پس
حقیقی سورج جو حقیقی گرمی پہنچانے والا اور حقیقی روشنی عطا کرنے والا ہے۔ وہ خدا ہے۔
کیونکہ اسی کی طاقت کے سہارے سے یہ سورج بھی کام کر رہا ہے اور اس حقیقی سورج کا
صرف یہی کام نہیں کہ وہ دورانِ خون کے سلسلہ کو جاری رکھتا ہے۔ جس پر جسمانی زندگی
موقوف ہے۔ اس طرح پر کہ اس فعل کا آلہ انسان کے دل کو ٹھہراتا ہے اور آسمانی روشنی
سے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے۔ بلکہ وہ روحانی زندگی کو نوعِ انسان کے تمام اعضاء
تک پہنچانے کے لئے منجملہ انسانوں کے ایک انسان کو اختیار کر لیتا ہے اور انسانی سلسلہ
کے مجموعہ کے لئے جو ایک جسم کا حکم رکھتا ہے۔ اس کو بطور دل کے قرار دے دیتا ہے۔
اور اس کو روحانی زندگی کا خون نوعِ انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے ایک
آلہ مقرر کر دیتا ہے۔ پس وہ طبعاً اس خدمت میں لگا رہتا ہے کہ ایک طرف سے لیتا
اور پھر تمام مناسب اطراف میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور جیسا کہ غیر حقیقی اور جسمانی سُورج
آنکھوں کو کامل روشنی پہنچاتا اور تمام نیک بد چیزیں ان پر کھول دیتا ہے۔ ایسا ہی یہ
حقیقی سورج دل کی آنکھ کو معرفت کے بلند مینار تک پہنچا کر دن چڑھا دیتا ہے۔ اور جیسا کہ
وہ جسمانی سورج حقیقی سورج کے سہارے سے پھلوں کو پکاتا ہے اور ان میں شیرینی اور
حلاوت ڈالتا اور عفونتوں کو دُور کرتا اور بہار کے موسم میں تمام درختوں کو ایک سبز
چادر پہناتا اور خوشگوار پھلوں کی دولت سے ان کے دامن کو پُر کرتا۔ اور پھر خریف

ص ۴۸

میں اس کے برخلاف اثر ظاہر کرتا ہے۔ اور تمام درختوں کے پتے گرا دیتا اور بدشکل بنا دیتا اور پھلوں سے محروم کرتا اور بالکل انہیں ننگے کر دیتا ہے۔ بجز ان ہمیشہ سدا بہار درختوں کے جن پر وہ ایسا اثر نہیں ڈالتا۔ یہی کام اس حقیقی آفتاب کے ہیں جو سرچشمہ تمام روشنیوں اور فیضوں کا ہے۔ وہ اپنی مختلف تجلیات سے مختلف اثر دکھاتا ہے۔ ایک قسم کی تجلی سے وہ بہار پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسری قسم کی تجلی سے وہ خزاں لاتا ہے۔ اور ایک تجلی سے وہ عاشقوں کے لئے معرفت کی علامتیں پیدا کرتا ہے۔ اور پھر ایک تجلی سے کفر اور فسق کا عفونت ناک مادہ دنیا سے دور اور دفع کر دیتا ہے۔

پس اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو وہ تمام کام جو یہ جسمانی آفتاب کر رہا ہے وہ سب کام اس حقیقی آفتاب کے ظل ہیں۔ اور یہ نہیں کہ وہ صرف روحانی کام کرتا ہے بلکہ جس قدر اس جسمانی سورج کے کام ہیں۔ وہ اس کے اپنے کام نہیں ہیں بلکہ درحقیقت اسی معبود حقیقی کی پوشیدہ طاقت اس کے اندر وہ تمام کام کر رہی ہے جیسا کہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قصہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی۔ اور اس کا نام بلقیس تھا۔ وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی۔ اور ایسا ہوا کہ اس وقت کے نبی نے اس کو دھمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہیئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کریگا۔ اور پھر تیری خیر نہیں ہوگی۔ پس وہ ڈر گئی اور اس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی۔ اور قبل اسکے کہ وہ حاضر ہو۔ اس کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا۔ جس پر نہایت مصفّا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا۔ اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں۔ جب وُہ ملکہ اس جگہ پہنچی۔ تو اس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آ جا۔ تب اس نے نزدیک جا کر دیکھا کہ پانی زور سے بہہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں۔ اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھا لیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائیں۔ تب اُس نبی نے اس ملکہ کو جس کا نام بلقیس تھا۔ آواز دی۔ کہ

۴۷

اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہوگئی۔ یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تُو نے پاجامہ اُوپر اٹھالیا۔ یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ[1] یعنی اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دھوکا کھاتی ہے۔ یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں۔ جو اُوپر کی سطح پر بطور فرش کے لگائے گئے ہیں۔ اور پانی جو زور سے بہہ رہا ہے۔ وہ تو ان شیشوں کے نیچے ہے۔ نہ کہ یہ خود پانی ہیں۔ تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے۔ اور مَیں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سُورج کی پُوجا کرتی تھی۔

تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی۔ اور اُس کی آنکھیں کُھل گئیں اور اُس نے یقین کرلیا کہ وہ طاقتِ عظمیٰ جس کی پرستش کرنی چاہیئے وہ تو اور ہے۔ اور مَیں دھوکہ میں رہی۔ اور سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا۔ اور اس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں۔ یہ در اصل ان کے کام نہیں۔ یہ تو بطور شیشوں کے ہیں۔ بلکہ ان کے نیچے ایک مخفی طاقت ہے۔ جو خدا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھکر بلقیس نے سچے دل سے سُورج کی پُوجا سے توبہ کی۔ اور سمجھ لیا کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سُورج وغیرہ سے کام کراتی ہے۔ اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔ صفحہ ۴۸

یہ تو ہم نے سُورج کا حال بیان کیا۔ ایسا ہی چاند کا حال ہے۔ جن صفات کو چاند کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وُہ در اصل خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ وہ راتیں جو خوفناک تاریکی پیدا کرتی ہیں۔ چاند ان کو روشن کرنے والا ہے۔ جب وہ چمکتا ہے تو فی الفور اندھیری رات کی تاریکی اُٹھ جاتی ہے۔ کبھی وہ پہلے وقت سے ہی چمکنا شروع کرتا ہے۔ اور کبھی کچھ تاریکی کے بعد نکلتا ہے۔ یہ عجیب نظارہ ہوتا ہے کہ ایک طرف چاند چڑھا۔ اور ایک طرف تاریکی کا نام و نشان نہ رہا۔ اسی طرح خدا بھی جب نہایت گندہ اور تاریک

[1] النمل : ۴۵

آدمیوں پر جو اس کی طرف جھکتے ہیں۔ چمکتا ہے۔ تو ان کو اسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسا کہ چاند رات کو روشن کرتا ہے۔ اور کوئی انسان اپنی عمر کے پہلے زمانہ میں ہی اس چاند کی روشنی سے حصہ لیتا ہے۔ اور کوئی نصف عمر میں اور کوئی آخری حصہ میں اور بعض بدبخت سلخ کی راتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی تمام عمر ان پر اندھیرا ہی چھائے رہتا ہے۔ اس حقیقی چاند سے حصہ لینا ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ غرض کہ یہ سلسلہ روشنی کا اس حقیقی چاند کی روشنی سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ ایسا ہی چاند پھلوں کو موٹا کرتا اور ان میں طراوت ڈالتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو عبادت کر کے اپنے درختِ وجود میں پھل طیار کرتے ہیں۔ چاند کی طرح خدا کی رحمت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اور اس پھل کو موٹا اور تازہ بتازہ کر دیتی ہے۔ اور یہی معنے رحیم کے لفظ میں مخفی ہیں۔ جو سورۃ فاتحہ میں خدا کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جسمانی طور پر چار قسم کی ربوبیت ایسی ہو رہی ہے۔ جس سے نظامِ عالم وابستہ ہے۔ ایک آسمانی ربوبیت یعنی اکاش سے ہے۔ جو جسمانی تربیت کا سرچشمہ ہے جس سے پانی برستا ہے۔ اگر وہ پانی کچھ مدت نہ برسے تو جیسا کہ علم طبعی میں ثابت کیا گیا ہے۔ کنوؤں کے پانی بھی خشک ہو جائیں یہ آسمانی ربوبیت یعنی اکاش کا پانی بھی دُنیا کو زندہ کرتا ہے۔ اور نابود کو بود کی حالت میں لاتا ہے۔ اس طور پر آسمان ایک پہلا رب النوع ہے۔ جس※ سے پانی برستا ہے۔ جس کو وید میں اندر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الرَّجْعِ[۱]۔ اس جگہ آسمان سے مُراد وُہ کرہ زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے۔ اور اس آیت میں اس کرہُ زمہریر کی قسم کھائی گئی ہے جو مینہ برساتا ہے۔ اور رجع کے معنی مینہ ہے۔ اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں وحی کا ثبوت دینے

۴۹

※ قرآن شریف کی اصطلاح کی رُو سے جو فضا یعنی پول اوپر کی طرف ہے۔ جس میں بادل جمع ہو کر مینہ برستا ہے۔ اس کا نام بھی آسمان ہے۔ جس کو ہندی میں اکاش کہتے ہیں۔ مِنْہُ

[۱] الطارق : ۱۲

کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے۔ یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے۔ اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے۔ جیساکہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے۔ اگر وہ پانی نہ ہو۔ تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہو جائیں۔ عقل بھی اسی آسمانی پانی یعنے وحی الٰہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔ غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت یہ کام آسمان کا خدا تعالیٰ کی پہلی صفت کا ایک ظل ہے۔ جیساکہ خدا فرماتا ہے کہ ابتداء ہر ایک چیز کا پانی سے ہے۔ انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور وید کی رُو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے۔ جس کو وید کی اصطلاح میں اندر کہتے ہیں۔ مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اندر کچھ چیز ہے۔ بلکہ وُہی پوشیدہ اور نہاں در نہاں طاقت عظمیٰ جس کا نام خدا ہے۔ اس میں کام کر رہی ہے۔ اسی کو بیان کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں یعنے سُورۃ فاتحہ میں یُوں فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یعنے مت خیال کرو کہ بجز خدا کے کوئی اور بھی ربّ ہے۔ جو اپنی ربوبیت سے دُنیا کی پرورش کر رہا ہے۔ بلکہ وہی ایک خدا ہے جو تمہارا ربّ ہے۔ اسی کی طاقت ہر ایک جگہ کام کرتی ہے۔ اس جگہ اس ترتیب کے لحاظ سے جو اس سُورۃ میں ہے۔ اندر دیوتا کا ردّ ملحوظ ہے۔ کیونکہ پہلی تربیت اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کو دُوسرے لفظوں میں آسمان یا اکاش کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے دُنیا کے لوگ تمام قضا و قدر کو آسمان کی طرف منسُوب کیا کرتے ہیں۔ اور بُت پرستوں کے نزدیک بڑا ربّ النوع وہی ہے جو اندر کہلاتا ہے۔ پس اس جگہ اسی کا ردّ منظور ہے۔ اور یہ جتلانا مقصود ہے کہ حقیقی اندر وہی اکیلا خدا ہے۔ اسی کی طاقت ہے جو پانی برساتی ہے۔ آسمان کو ربّ العٰلمین کہنا حماقت ہے۔ بلکہ ربّ العٰلمین وُہی ہے۔ جس کا نام اللہ ہے۔

غرض خدا تعالےٰ کی یہ پہلی ربوبیت ہے جس کو نادانوں نے اکاش یعنے اندر کی طرف منسُوب

ا؎ الفاتحۃ : ۲

کیا ہے۔ بات یہی ہے کہ اندھوں کو اکاش سے پانی برستا نظر آتا ہے۔ مگر برسانے والی ایک
اور طاقت ہے۔ اور اس طور پر برسانا یہ جلوہ دکھلاتا ہے کہ یہ بھی اس کی ایک صفت ہے۔
پس آسمان کی یہ ظاہری ربوبیت اس کی حقیقی ربوبیت کا ایک ظل ہے۔ اور جو سامان رعد
اور صاعقہ وغیرہ کا بادل میں ہوتا ہے۔ دراصل یہ سب اس کی صفات کے رنگوں میں سے
ایک رنگ ہے۔ پھر دوسری ربوبیت خدا تعالیٰ کی جو زمین پر کام کر رہی ہے رحمانیت ہے۔
اس لفظ رحمان سے بُت پرستوں کے مقابل پر سُورج دیوتا کا ردّ ملحوظ ہے۔ کیونکہ بموجب
بُت پرستوں کے خیال کے جیسا کہ اکاش یعنی آسمان پانی کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا
کرتا ہے۔ ایسا ہی سُورج بہار کے ایّام میں تمام درختوں کو لباس پہناتا ہے۔ گویا یہ
اس کی وہ رحمت ہے جو کسی عمل پر مترتب نہیں۔ پس سورج جسمانی طور پر رحمانیت کا
مظہر ہے۔ کیونکہ وہ موسم بہار میں ننگے درختوں کو پتوں کی چادر پہناتا ہے۔ اور اس
وقت تک درختوں نے اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کیا ہوتا۔ یعنی کچھ بنایا نہیں ہوتا۔
تا بنائے ہوئے پر کچھ زیادہ کیا جائے۔ بلکہ وہ خزاں کی غارت گری کے باعث محض
ننگے اور برہنہ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر سُورج کے پرتوِ عاطفت سے ہر ایک درخت
اپنے تئیں آراستہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آخر سُورج کی مدد سے درختوں کا عمل اس
حد تک پہنچتا ہے کہ وہ پھل بنا لیتے ہیں۔ پس جبکہ وہ پھل بنا کر اپنے عمل کو پُورا کر چکتے
ہیں۔ تب چاند ان پر اپنی رحیمیت کا سایہ ڈالتا ہے۔ اور رحیم اس کو کہتے ہیں۔ کہ عمل
کرنے والے کو اس کی تکمیل عمل کے لئے مدد دے۔ تا اس کا عمل ناتمام نہ رہ جائے۔
پس چاند درختوں کے پھلوں کو یہ مدد دیتا ہے کہ ان کو موٹے کر دیتا ہے۔ اور ان میں اپنی
تاثیر سے رطوبت ڈالتا ہے۔ چنانچہ علم طبعی میں یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ چاند کی روشنی میں باغبان
لوگ اناروں کے پھٹنے کی آواز سُنا کرتے ہیں۔ غرض استعارہ کے طور پر قمر جو نیّرِ دوم ہے
رحیم کے نام سے موسوم ہوا۔ کیونکہ بڑا فعل اس کا یہی ہے جو موجود شدہ پھلوں کی مدد کرتا ہے

مـ۱۵

اور موٹا اور تازہ کر دیتا ہے۔ پھر جب وہ پھل طیار ہو جاتے اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو زمین ان کو اپنی مالکانہ حیثیت سے اپنی طرف گراتی ہے۔ تا وہ اپنی جزا و سزا کو پہنچیں۔ پس اگر وہ عمدہ اور نفیس پھل ہیں۔ تو زمین پر انکی بڑی عزت ہوتی ہے۔ اور وہ قابل قدر جگہوں میں رکھے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ ردّی ہیں تو خراب جگہوں میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ سزا جزا گویا زمین کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ جو خدا نے اسکی فطرت کو دے رکھی ہے کہ اچھے پھل کی قدر کرتی ہے اور بُرے پھل کو ذلیل جگہ رکھتی ہے۔

غرض وید میں بطور استعارہ کے یہ چار نام ہیں جو چار بڑے بڑے دیوتاؤں کو عطاء ہوئے ہیں۔ اوّل اکاش یعنی آسمان جس کو اندر دیوتا* بولتے ہیں۔ وُہ پانی کا داتا ہے۔ اور قرآن شریف میں ہے کہ وجعلنا من الماء کل شیٔ حیّ[1] یعنے ہر ایک چیز پانی سے ہی زندہ ہے۔ اس لئے یہ مجازی دیوتا یعنے اندر جس کو اکاش کہنا چاہیئے۔ سب مجازی دیوتاؤں سے بڑا ہے۔ جس کی بغلوں میں سُورج اور چاند پرورش پاتے ہیں۔ یہ بہ نسبت اوروں کے ربوبیت عامہ کا دیوتا ہے۔ بعد اس کے سُورج دیوتا ہے۔ جو رحمانیت کا مظہر ہے۔ اس کی ربوبیت چاند سے زیادہ اور اکاش یعنی اندر دیوتا سے کم ہے۔ وہ کام جو

صفحہ ۵۲

* حاشیہ:۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حقیقت میں یہ سب دیوتا ہیں بلکہ یہ سب ایک ہی مالک کے قبضہ میں ہیں۔ اور انسان کے فائدہ کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ہم نے اسجگہ دیوتا کا لفظ محض وید کا استعارہ بیان کیا ہے کیونکہ ان چاروں کے فیوض بموجب وید کے ایسے طور سے جاری ہیں کہ گویا اختیار سے یہ فیض پہنچا رہے ہیں۔ مگر یہ سب خدا کی مخلوق ہیں اپنے ارادہ سے کوئی کام نہیں کرتے۔ اور نہیں جانتے کہ کیا کام کرتے ہیں۔ گویا مُردہ بدست زندہ ہیں۔ یہ چار صفات کے نمونہ جو اکاش اور سُورج اور چاند اور زمین میں پائے جاتے ہیں۔ یہ انسانوں کو غور کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔ تا صفاتِ الٰہی کے سمجھنے میں یہ مدد دیویں۔ مثلاً آریہ لوگ خدا کی رحمانیت سے منکر ہیں۔ اور حالانکہ وید سُورج میں استعارہ کے رنگ میں خود رحمانیت کی صفت قرار دیتا ہے۔ یہ اسی غرض سے ہے کہ تا انسانوں کو اس تقریب سے خدا کی رحمانیت پر نظر پڑے۔ منہُ

[1] الانبیاء: ۳۱

اس کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ بغیر موجودگی عمل کے درختوں پر اپنی عنایت اور کرپا ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ درخت ننگ دھڑنگ کھڑے ہوتے ہیں اور خزاں کے مارے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ گویا مُردے ہیں جو زمین میں گاڑے گئے ہیں۔ اور تہیدست فقیروں کی طرح ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پس سُورج دیوتا بہار کے موسم میں موج میں آکر ان کو لباس بخشتا ہے۔ اور ان کا دامن پھلوں اور پھولوں سے بھر دیتا ہے۔ اور چند روز میں ان کے سر پر پھُولوں کے سہرے باندھتا ہے۔ اور سبز پتوں کی ریشمی قبا ان کو پہناتا ہے۔ اور پھلوں کی دولت سے ان کو مالا مال کر دیتا ہے۔ اور اس پر ایک شاندار نوشہ ان کو بنا دیتا ہے۔ پس اس کی رحمانیت میں کیا شک رہا۔ جو بغیر کسی سابق عمل کے ننگے درویشوں پر اس قدر کرپا اور مہربانی کرتا ہے۔ اس قسم کے استعارات وید میں بہت موجود ہیں کہ اول شاعرانہ طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ اور پھر ذرا غور کریں۔ تو کوئی علمی چمک بھی ان میں دکھائی دیتی ہے۔

پھر سُورج کے بعد وید کی رُو سے چاند دیوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے عملوں کو دیکھکر اپنی مدد سے ان کے اعمال انجام تک پہنچاتا ہے۔ یعنی بہار کے موسم میں درخت پھل تو پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر چاند نہ ہوتا۔ تو یہ عمل ان کا ناقص رہ جاتا۔ اور پھلوں میں تازگی اور فربہی اور طراوت ہرگز نہ آتی۔ پس چاند ان کے عمل کا متمم ہے۔ اس لئے اس لائق ہُوا کہ مجازی طور پر اس کو رحیم کہا جائے۔ سو وید اس کو رحیم قرار دیتا ہے۔ سو استعارہ کے طور پر کچھ حرج نہیں۔

پھر چاند کے بعد دھرتی دیوتا ہے۔ جس نے مسافروں کو جگہ دینے کیلئے اپنی پشت کو بہت وسیع کر رکھا ہے۔ ہر ایک پھل درخت پر مسافر کی طرح ہوتا ہے۔ آخر کار مستقل سکونت اس کی زمین پر ہوتی ہے۔ اور زمین اپنے مالکانہ اختیارات سے جہاں چاہے اسکو اپنی پشت پر جگہ دیتی ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا۔ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] کہ ہم نے

[1] بنی اسرائیل: ۷۱

انسانوں کو زمین پر اور دریاؤں پر خود اُٹھایا۔ ایسا ہی زمین بھی ہر ایک چیز کو اُٹھاتی ہے۔ اور ہر ایک خاکی چیز کی سکونت مستقل زمین میں ہے۔ وہ جس کو چاہے عزت کے مقام پر بٹھا دے۔ اور جس کو چاہے ذلت کے مقام پر پھینک دے۔ پس اس طرح پر زمین کا نام مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن ہوا۔ یعنے استعارہ کے طور پر صحیفہ فطرت کے آئینہ میں یہ چاروں الٰہی صفات نظر آتی ہیں۔ غرض اسی طرح خدا نے چاہا کہ اپنی صفات کو مجازی مظاہر میں بھی ظاہر کرے۔ تا طالب حق مثالوں کو پاکر اسکے دقیق در دقیق صفات پر اطمینان پکڑلے۔

اب اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چار مجازی دیوتے جو وید میں ہیں۔ چار مجازی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اکاش مجازی طور پر ربوبیت کُبریٰ کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور سُورج رحمانیت کی صفت سے موصوف ہے۔ اور چاند رحیمیت کی صفت سے حصّہ دیا گیا ہے۔ اور زمین مالکِ یوم الدین کی صفت سے بہرہ یاب ہے۔ اور یہ چاروں صفات مشہود و محسوس ہیں۔ انہی امور کی وجہ سے موٹی عقل والوں نے درحقیقت ان کو دیوتے قرار دیا ہے※۔ اور ان کو رب النوع اور قابل پرستش سمجھا ہے۔ پس ان لوگوں کے ردّ کے لئے خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنے سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مٰلک یوم الدین۔ ایاک

※ دیوتا سنسکرت میں ربّ کو کہتے ہیں۔ جو کسی کی ربوبیت کرتا ہے۔ یعنی پرورش کرتا ہے۔ پس سُورج بجائے خود ایک ربّ ہے۔ یعنی دیوتا ہے۔ اور چاند بجائے خود ایک ربّ ہے۔ یعنی دیوتا ہے۔ ان تمام ربّوں یعنی دیوتاؤں کے سر پر ایک بڑا ربّ ہے۔ جو مدبّر بالارادہ ہے اور وہی خدا ہے۔ اسکا نام ربّ العٰلمین ہے۔ یعنی سب کا ربّ اور تمام ربّوں کا بھی ربّ۔ ارادہ اور اختیار سے کام کرنیوالا وہی ایک ہے۔ باقی سب کلیں ہیں جو اُس کے ہاتھ سے چلتی ہیں۔ پس عبادت اور حمد کے لائق وہی ہے۔ اِسی واسطے فرمایا۔ الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔ منہُ

۵۴ نعبد و ایاك نستعین - اهدنا الصراط المستقیم - صراط الذین انعمت علیهم - غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین[1] - آمین ÷

ترجمہ:- حمد اور استت اور مہما اس بڑے رب کے لئے خاص ہے جس کا نام اللہ ہے جو رب العالمین ہے۔ اور رحمان العالمین ہے۔ اور رحیم العالمین ہے۔ اور مالک جمیع عالم یوم الدین ہے۔ یعنی یہ مرتبہ پرستش کا خدا کیلئے مخصوص ہے کہ اسکی ربوبیت[1] اور رحمانیت[2] اور رحیمیت[3] اور جزا سزا[4] کے لئے مالکیت ایک عالم اور ایک رنگ میں محدود نہیں۔ بلکہ یہ صفات اس کی بے انتہا رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ کوئی ان کا انتہا نہیں پا سکتا۔ اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ربوبیتیں یعنی پرورشیں ایک خاص رنگ اور ایک خاص قسم میں محدود ہیں۔ اور اس اپنے تنگ دائرہ سے آگے نہیں نکلتیں۔ اسلئے ایسی چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ علاوہ اس کے ان کے یہ افعال بالارادہ نہیں۔ بلکہ ان سب کے نیچے الٰہی طاقت کام کر رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے وہ سب کے رب کہ جو بے انتہا رنگوں میں اپنے یہ صفات ظاہر کرتا ہے۔ پرستش کے لائق تو ہی ہے۔ اور سورج چاند وغیرہ پرستش کے لائق نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام میں فرمایا۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ[2] یعنے نہ سورج کو سجدہ کرو۔ نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے یہ تمام چیزیں سورج چاند۔ آسمان۔ آگ۔ پانی وغیرہ پیدا کی ہیں۔ چاند اور سورج کا ذکر کرکے پھر بعد اس کے جمع کا صیغہ بیان کرنا اس غرض سے ہے۔ کہ یہ کل چیزیں جن کی غیر قومیں پرستش کرتی ہیں۔ تم ہرگز ان کی پرستش مت کرو۔ پھر اس سورۃ میں یعنے سورۃ فاتحہ میں اس بات کا جواب ہے کہ جب اکاش اور سورج اور چاند اور آگ اور پانی وغیرہ کی پرستش سے منع کیا گیا۔ تو پھر کونسا فائدہ اللہ کی پرستش میں ہے کہ جو ان چیزوں کی پرستش میں نہیں۔ تو دعا کے پیرایہ میں اس کا جواب دیا گیا۔ کہ وہ خدا ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اور اپنے تئیں آپ اپنے بندوں پر

[1] الفاتحہ ۲:۱-۷ [2] حم السجدة: ۳۸

ظاہر کرتا ہے۔ انسان صرف اپنی عقل سے اس کو شناخت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ قادرِ مطلق اپنی خاص تجلّی سے اور اپنی زبردست قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں شناخت کرواتا ہے۔ وہی ہے کہ جب غضب اور قہر اس کا دُنیا پر بھڑکتا ہے تو اپنے پرستار بندوں کو اس غضب سے بچالیتا ہے۔ وہی ہے جو انسان کی عقل کو روشن کرکے اور اس کو اپنے پاس سے معرفت عطا کرکے گمراہی سے نجات دیتا ہے اور گمراہ ہونے نہیں دیتا۔

مـــہ

یہ سُورۃ فاتحہ کا خلاصہ مطلب ہے جس کو پانچ وقت مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں۔ بلکہ دراصل اسی دُعا کا نام نماز ہے۔ اور جب تک انسان اس دُعا کو درد دل کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نہ پڑھے۔ اور اس سے وہ عقدہ کشائی نہ چاہے جس عقدہ کشائی کے لئے یہ دُعا سکھلائی گئی ہے۔ تب تک اس نے نماز نہیں پڑھی۔ اور اس نماز میں تین چیزیں سکھلائی گئی ہیں۔

۱۔ اوّل خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کی توحید تا انسان چاند۔ سُورج اور دوسرے جھوٹے دیوتاؤں سے مُنہ پھیر کر صرف اسی سچے دیوتا کا ہو جائے۔ اور اسکی رُوح سے یہ آواز نکلے کہ

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ۔

یعنی مَیں تیرا ہی پرستار ہوں اور تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں۔ اور دُوسرے یہ سکھلایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اپنے بھائیوں کو شریک کرے اور اس طرح پر بنی نوع کا حق ادا کردے۔ اس لئے دُعا میں **اھدنا** کا لفظ آیا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اے ہمارے خدا ہم سب لوگوں کو اپنی سیدھی راہ دکھلا۔ یہ معنے نہیں کہ مجھ کو اپنی سیدھی راہ دکھا۔ پس اِس طور کی دُعا سے جو جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے بنی نوع کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اور تیسرے اس دُعا میں یہ سکھلانا مقصود ہے کہ ہماری حالت کو صرف خشک ایمان تک محدود نہ رکھ بلکہ ہمیں وہ روحانی نعمتیں عطا کر جو تُو نے پہلے راستبازوں کو دی

ہیں۔ اور پھر کہا کہ یہ دُعا بھی کرو کہ ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا۔ جن کو روحانی آنکھیں عطا نہیں ہوئیں۔ آخر انہوں نے ایسے کام کئے جن سے اسی دُنیا میں غضب ان پر نازل ہوا۔ اور یا اس دُنیا میں غضب سے تو بچے۔ مگر گمراہی کی موت سے مرے اور آخرت کے غضب میں گرفتار ہوئے۔ خلاصہ دُعا کا یہ ہے کہ جس کو خدا روحانی نعمتیں عطا نہ کرے اور دیکھنے والی آنکھیں نہ بخشے۔ اور دل کو یقین اور معرفت سے نہ بھرے۔ آخر وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسکی شوخیوں اور شرارتوں کی وجہ سے اسی دنیا میں اس پر غضب پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ پاکوں کے حق میں بدزبانی کرتا ہے۔ اور کتوں کی طرح زبان نکالتا ہے۔ پس ہلاک کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہود اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے ہلاک کیے گئے۔ اور بارہا طاعون کا عذاب ان پر نازل ہوا جس نے ان کی بیخ کنی کر دی۔ اور یا اگر وہ دُنیا میں شوخی اور شرارت نہ کرے۔ اور بدزبانی اور شرارت کے منصوبے میں شریک نہ ہو۔ تو اس کے عذاب کی جگہ عالمِ ثانی ہے۔ جب اس دنیا سے وہ گذر جائیگا۔

ملاحظہ

اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ رِگ وید میں جو اندر اور سورج اور چاند اور آگ وغیرہ دیوتاؤں سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔ اس سے مراد وُہ اعلیٰ طاقت حضرت احدیت ہو۔ جو ان کے پردہ میں کام کر رہی ہے جو سب مجازی دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ کیونکہ ہم بعض جگہ قرآن شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پاتے ہیں کہ جس قدر اس عالم میں مختلف چیزیں نظام عالم کا قائم رکھنے کے لئے کام کر رہی ہیں۔ وہ درحقیقت خدا تعالےٰ کے اسماء اور صفات کے نمونے ہیں جو مجازی رنگ میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ گویا اجرام فلکی اور عناصر ارضی ایک کتاب کے اوراق ہیں۔ جن سے ہمیں خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں معرفت کا سبق ملتا ہے۔ اور عادت اللہ کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً سُورج چار فصلوں میں چار تغیرات دکھلاتا ہے۔

اوّل تغیر موسم خریف جو موسم بہار کے مخالف ہے۔ اس تغیر سے وُہ درختوں کے

آب و تاب کو ویران کرنا شروع کرتا ہے۔ اکثر درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ اور ان کے اندر کا مادّہ سیّالہ جو تازگی بخش ہوتا ہے خشک ہو جاتا ہے۔ انسانوں کے بدن پر بھی اس موسم کا یہی اثر ہوتا ہے کہ خشک اور سوداوی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح خدا کی ایک تجلّی بھی موسمِ خریف سے **مشابہ** ہے کہ ایک زمانہ انسانوں پر آتا ہے کہ انکے دلوں پر قبض طاری ہوتی ہے۔ اور وجد اور یاد الٰہی کا مادّہ سیّالہ جو رُوحانی تازگی کو بخشتا ہے۔ وُہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گو کھلے کھلے معصیت اور فسق کا **دور** ابھی نہیں آتا۔ مگر اُنس الٰہی کا جوش جاتا رہتا ہے۔ اور دلوں پر افسردگی اور مُردگی اور جمود طبع اور قبض غالب ہو جاتا ہے۔ اور لذّت اور ذوق شوق الٰہی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس کو **کلجگ** کا پیش خیمہ کہنا چاہیئے۔

۵۷

پھر دوسرا زمانہ جو بذریعہ سورج کے خریف کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ وہ **موسم سرما** کا زمانہ ہے جبکہ آفتاب اپنی دوری کی وجہ سے شدت برودت ظاہر کرتا ہے۔ سو اسی طرح اس آفتاب حقیقی کی جس کا نام خدا ہے۔ ایک تجلّی ہے جو جاڑے سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خدا کی محبّت دلوں سے بکلّی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور انسانی طبیعتیں اس کو چھوڑ دیتی ہیں۔ اور بجائے اس کے ہر ایک شخص نفس اور شہوات کی راہ کو پسند کرتا ہے۔ اور شراب خوری۔ قمار بازی۔ زنا کاری اور جھوٹ۔ فریب۔ دغا۔ بدزبانی۔ تکبر۔ دُنیا پرستی۔ چوری۔ خیانت۔ خونریزی۔ ٹھٹھا ہنسی اور ہر ایک قسم کا پاپ اور ہر ایک قسم کا پلید کام دُنیا میں پھیل جاتا ہے۔ اور تمام لیاقتیں زبان کی چالاکیوں سے آزمائی جاتی ہیں۔ اور جو شخص ایسے طریقوں سے اپنی چالاکیاں دکھلاتا ہے وہ بڑا لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور بڑی عزّت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر مر بھی جائے۔ تو اس کی یادگاریں قائم ہوتی ہیں۔ ایسا ہی زمین سُنسان پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ شاذ و نادر کے طور پر کوئی زمین پر ہوتا ہے۔ جو پاک دل اور پاک زبان اور پاک خیال

اور خدا سے ڈرنے والا اور معرفت کے پاک پانی سے سیراب ہونے والا یہ موسم ایسا ہے گویا اس کو کلجگ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نیکی کا کال اور بدی کا اقبال ہوتا ہے اور زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی ہے۔

پھر دوسرا زمانہ جو سُورج اپنے تغیّرات سے جاڑے کے بعد ظاہر کرتا ہے وہ ربیع کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جبکہ مُردہ پودے نئے سر سے زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور نباتات کا خشک شدہ خون نئے سر سے پیدا کیا جاتا ہے۔ سو اسی طرح وہ جو آفتابِ حقیقی ہے۔ ایک بھاری تجلّی اپنی جو موسمِ بہار کو دکھلاتی ہے۔ دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ تب زمین کے زندہ کرنے کے لئے ایک نیا پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اور وُہ پانی اُس طرح اُترتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کرکے اس کے دل کو اس پانی کا ابرِ بہار بناتا ہے۔ تب وُہ پانی اس بادل میں سے خدا تعالیٰ کے اذن سے نکلتا رہتا ہے۔ اور ان خشک پودوں پر پڑتا ہے۔ جن کو خریف کی بادِ صرصر نے تباہ اور خراب کر دیا تھا۔ اور ان میں معرفتِ الٰہی کے نئے پتے پیدا کرتا ہے۔ اور ذوق شوق کے پھول ان میں نمایاں کر دیتا ہے۔ اور آخر انسانی شاخوں کو نیک اعمال کے پھلوں سے بھر دیتا ہے۔

پھر تیسرا زمانہ جو زمانہ بہار کے بعد سُورج دیوتا ظاہر کرتا ہے۔ وہ صیف کا زمانہ ہے۔ جو موسم گرما کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اور موسم گرما میں سُورج ان پھلوں کو پکا دیتا ہے۔ جو بہار کے موسم میں ابھی کچّے تھے۔ پس اسی طرح خدا کی تجلّی کے لئے بھی ایک موسم صیف یعنی موسم گرما آتا ہے۔ یہ وہ موسم ہوتا ہے جبکہ بہار کے دنوں سے ترقی کرکے انسانی پاک طبیعتیں خدا تعالیٰ کی یاد میں اور اس کی محبت میں گرم ہوتی ہیں اور طبیعتوں میں ذکرِ الٰہی کے لئے جوش پیدا ہوتے ہیں اور ترقیات کمال کو پہنچتی ہیں۔ اور یہ زمانہ پُورے معنے سے سَت جُگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ تب اکثر لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کی

مرضی کے موافق چلتے ہیں۔ اور اس کی خواہشوں کو اپنی خواہشیں بناتے ہیں۔
اب ظاہر ہے کہ سُورج کے ان چار تغیر کے مقابل خدا تعالیٰ کے بھی چار تغیر پائے جاتے ہیں۔ پس اس میں **کلام** کی جگہ نہیں کہ جو کچھ اجرام فلکی اور عناصر میں جسمانی اور فانی طور پر **صفات** پائی جاتی ہیں۔ وہ رُوحانی اور ابدی طور پر خدا تعالےٰ میں **موجود** ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی ہم پر کھول دیا ہے کہ سُورج وغیرہ **بذاتِ خود** کچھ چیز نہیں ہیں۔ یہ اسی کی **طاقتِ زبردست** ہے۔ جو پردہ میں ہر ایک کام کر رہی ہے۔ **وُہی ہے** جو چاند کو پردہ پوش اپنی ذات کا بناکر اندھیری راتوں کو روشنی بخشتا ہے۔ جیساکہ وُہ تاریک دِلوں میں **خود** داخل ہوکر انکو **منوّر** کردیتا ہے۔ اور آپ انسان کے اندر بولتا ہے۔ **وُہی ہے** جو اپنی طاقتوں پر سُورج کا پردہ ڈال کر دِن کو ایک عظیم الشان روشنی کا **مظہر** بنا دیتا ہے۔ اور مختلف فصلوں میں مختلف اپنے کام ظاہر کرتا ہے۔ اسی کی طاقت آسمان سے برستی ہے جو **مینہ** کہلاتی ہے اور خشک زمین کو سرسبز کردیتی ہے اور پیاسوں کو **سیراب** کردیتی ہے۔ **اسی** کی طاقت آگ میں ہوکر جلاتی ہے۔ اور **ہوا** میں ہوکر دَم کو تازہ کرتی اور پھُولوں کو شگفتہ کرتی اور بادلوں کو اُٹھاتی اور آواز کو کانوں تک پہنچاتی ہے۔ یہ **اسی** کی طاقت ہے کہ زمین کی شکل میں مجسّم ہوکر نوعِ انسان اور حیوانات کو اپنی پُشت پر اُٹھا رہی ہے۔ مگر کیا یہ **چیزیں خدا ہیں** ؟ نہیں بلکہ **مخلوق**۔ مگر ان کے اجرام میں خدا کی طاقت ایسے طور سے پیوست ہو رہی ہے کہ جیسے قلم کے ساتھ ہاتھ ملا ہوُا ہے۔ اگرچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم لکھتی ہے۔ مگر قلم نہیں لکھتی۔ بلکہ ہاتھ لکھتا ہے۔ یا مثلاً ایک لوہے کا ٹکڑا جو آگ میں پڑکر آگ کی شکل بن گیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وُہ جلاتا ہے۔ اور روشنی بھی دیتا ہے۔ مگر دراصل وہ صفات اُس کی نہیں بلکہ آگ کی ہیں۔ اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر اجرام فلکی وعناصر ارضی بلکہ ذرہ ذرہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے۔ یہ سب باعتبار

صفحہ ۵۹

اپنی مختلف خاصیتوں کے جو ان میں پائی جاتی ہیں۔ خدا کے نام ہیں۔ اور خدا کی صفات ہیں۔ اور خدا کی طاقت ہے۔ جو ان کے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے۔ اور یہ سب ابتدا میں اسی کے کلمے تھے۔ جو اس کی قدرت نے ان کو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا۔ نادان سوال کرے گا۔ کہ خدا کے کلمے کیونکر مجسم ہوئے۔ کیا خدا ان کے علیحدہ ہونے سے کم ہو گیا۔ مگر اس کو سوچنا چاہیئے کہ آفتاب سے جو ایک **آتشی شیشہ**٭ آگ حاصل کرتی ہے۔ وہ آگ کچھ آفتاب میں سے کم نہیں کرتی۔ ایسا ہی جو کچھ چاند کی تاثیر سے پھلوں میں فربہی آتی ہے وہ چاند کو دُبلا نہیں کر دیتی۔ یہی خدا کی معرفت کا ایک **بھید** اور تمام رُوحانی اُمور کا **مرکز** ہے کہ خدا کے کلمات سے ہی دُنیا کی پیدائش ہے۔ جبکہ یہ بات طے ہو چکی۔ اور خود قرآن شریف نے یہ علم ہمیں عطا کیا۔ تو پھر میرے نزدیک ممکن ہے کہ وید نے جو کچھ آگ کی یا ہوا کی تعریف کی یا سُورج کی مہما اور استت کی اس کا بھی یہی مقصد ہو گا کہ **الٰہی طاقت** ایسے شدید تعلق سے ان کے اندر کام کر رہی ہے کہ درحقیقت اس کے مقابل وُہ سب **اجرام**

حاشیہ آریہ صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشر نے زمین اور آسمان کی کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ صرف موجودہ چیزوں کو جو قدیم سے تھیں باہم جوڑا ہے۔ جیسا کہ جیو جو قدیم سے اور انادی ہے۔ اور پرمانو یا پرکرتی جو اجسام کے چھوٹے چھوٹے حصے ہیں اور قدیم اور انادی ہیں۔ مگر ہم ایسے اعتقاد کی وجہ سے اس قدر آریہ صاحبوں پر غصہ نہیں کرتے جس قدر ہم کو ان کی بے نصیبی پر رحم آتا ہے۔ کیونکہ جبکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی قدرتِ ایجاد کو شناخت نہیں کیا تو کیا شناخت کیا۔ اور کونسا سچا اور کامل گیان انکو حاصل ہوا۔ وُہ خدا جس نے اس قدر بڑے بڑے اجرام آسمان میں پیدا کئے جیسے سُورج اور چاند اور اسقدر ستارے پیدا کئے جن کا ابتک انسانوں کو پتہ نہیں لگا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

٭ کوئی محبت بغیر مشاہدہ حسن یا احسان کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی گناہ بغیر خدا کی محبت اور اندیشہ اُسکی ناراضگی کے دُور نہیں ہو سکتا۔ محبت گناہ کو ایسا جلاتی ہے جیسا کہ آگ میل کو۔ جس سونے کو ہر روز آگ میں ڈالو گے کیا اُس پر کوئی میل رہ سکتی ہے! مگر وہ شخص جو نہ خدا کے حُسن کا قائل ہے یعنی اُسکو پورا قادر نہیں جانتا اور نہ خدا کے احسان کا قائل ہے یعنی یہ یقین نہیں رکھتا کہ اسکی رُوح جو اسکے اندر بول رہی ہے وُہ خدا سے ہے۔ وُہ خاک اپنے پرمیشر سے محبّت کرے گا۔ منہ

بطور چھلکے کے ہیں۔ اور وہ مغز ہے۔ اور سب صفات اُسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اس لئے اسی کا نام آگ رکھنا چاہیئے۔ اور اسی کا نام پانی اور اسی کا نام ہَوا۔ کیونکہ ان کے فعل ان کے فعل نہیں۔ بلکہ یہ سب اس کے فعل ہیں۔ اور ان کی طاقتیں ان کی طاقتیں نہیں۔ بلکہ یہ سب اس کی طاقتیں ہیں۔ جیساکہ سورۃ فاتحہ کی اس آیت میں کہ الحمد للہ ربّ العٰلمین اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مختلف رنگوں اور پیرایوں اور عالموں میں جو دنیا کا انتظام قائم رکھنے کیلئے زمین و آسمان کی چیزیں کام کر رہی ہیں۔ یہ وہ نہیں کام کرتیں بلکہ خدائی طاقت انکے نیچے کام کر رہی ہے۔ جیساکہ دُوسری آیت میں بھی فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ[1]۔ یعنی دُنیا ایک شیش محل ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے۔ اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں۔ حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔ اور جیساکہ قرآن شریف میں ایک

بقیہ حاشیہ:۔ کیا وہ پیدا کرنے میں کسی مادّہ کا محتاج تھا۔ جب میں ان بڑے بڑے اجرام کو دیکھتا ہوں اور ان کی عظمت اور عجائبات پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ صرف ارادہ الٰہی سے اور اس کے اشارہ سے ہی سب کچھ ہوگیا۔ تو میری رُوح بے اختیار بول اُٹھتی ہے کہ اے ہمارے قادر خدا تو کیا ہی بزرگ قدرتوں والا ہے۔ تیرے کام کیسے عجیب اور وراء العقل ہیں۔ نادان ہے وہ جو تیری قدرتوں سے انکار کرے۔ اور احمق ہے وہ جو تیری نسبت یہ اعتراض پیش کرے کہ اس نے ان چیزوں کو کس مادّہ سے بنایا۔ **افسوس** کہ آریہ صاحبان یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر خدا کو مخلوق کے بنانے میں انسانی اسباب کی پابندی ضروری ہے۔ تو پھر وہ جیسے بغیر مادّہ کے کچھ بنا نہیں سکتا۔ ویسا ہی وہ بغیر کسی کافی وقت کے کچھ بنا نہیں سکتا۔ پس اس صورت میں جیساکہ ہم ایک دیوار کے بنانے میں اندازہ کرتے ہیں کہ ایک معمار اتنے دنوں میں اس کو تیار کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ ایسا ہی ہمیں یہ اندازہ کرنا پڑیگا کہ خدا کو مثلاً سورج یا چاند بنانے میں اس قدر وقت کی ضرور حاجت پڑی ہوگی۔ اور اس سے پہلے اس کے لئے غیر ممکن ہوگا کہ کچھ بنا سکے۔ مگر ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کے لئے یہ حدیں مقرر کرنا اور کسی خاص اندازۂ وقت کی طرف کسی کام کے لئے اس کو محتاج سمجھنا کفر ہے۔ اور گو وہ اپنی مرضی سے کوئی کام جلدی سے کرے یا دیر سے۔ مگر وہ وقت کا محتاج نہیں۔ پس اس صورت میں

[1] النمل: ۴۵

تیسری جگہ بھی فرمایا۔ وحملناھم فی البر والبحر[1]۔ یعنے یہ خیال مت کرو کہ زمین تمہیں اٹھاتی ہے۔ یا کشتیاں دریا میں تمہیں اٹھاتی ہیں۔ بلکہ ہم خود تمہیں اٹھا رہے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ کہ ہم ان معنوں کو جو اوپر بیان ہوئے۔ وید کی نسبت قبول کر سکتے ہیں اور ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن شریف نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ وید کا بھی یہی مدعا ہے۔ مگر دو باتوں کا ثابت ہونا ضروری ہے (۱) اول یہ کہ وید کا بھی یہی مذہب ہو۔ جو قرآن نے ظاہر کیا ہے کہ یہ سب چیزیں کیا آسمان کے اجرام اور کیا زمین کے عناصر اور کیا ذرہ ذرہ مخلوقات خدا کے ہاتھ سے نکلے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کریں۔ تو پھر ان چیزوں کی صفات پرمیشر کی صفات نہیں ہو سکتیں۔ اور ان چیزوں کے گُن پرمیشر کے گُن نہیں کہلا سکتے۔ اور ان چیزوں کی

بقیہ حاشیہ:۔ وہ مادہ کا کیونکر محتاج ہو گیا۔ انسانی ضعف کے لئے جو منطق بنائی گئی ہے۔ اس منطق سے اس کے حق میں بھی کوئی نتیجہ نکالنا اس سے زیادہ کونسی حماقت ہوگی۔ میں ہرگز یقین نہیں رکھتا۔ کہ وید کی یہ تعلیم ہو۔ بلکہ خاص پنڈت دیانند کے پیٹ سے یہ تعلیم نکلی ہے۔ پنڈت صاحب نے جب دیکھا۔ کہ بغیر روٹی کھانے کے وہ جی نہیں سکتے۔ اور بغیر پانی کے ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ اور بغیر مشقت اور مغز خوری کے وید نہ پڑھ سکے۔ تو انہوں نے سمجھ لیا کہ جیسا وہ ایک چیز کے حصول کیلئے مادہ کے محتاج ہیں۔ ایسا ہی انکا پرمیشر بھی مادہ کا محتاج ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ دوسرے کے کاموں کو اپنے نفس پر قیاس کر لیتا ہے۔ چنانچہ بازاری عورتیں ہرگز سمجھ نہیں سکتیں کہ دنیا میں پاکدامن اور پاکدل عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ جس کو آنکھیں ملی ہیں وہ آنکھوں کے بعد اپنے تئیں اندھا نہیں کر سکتا۔ اور جس کو کوئی حصہ گیان اور معرفت کا ملا ہے وہ پھر جہالت کو پسند نہیں کر سکتا۔ ہم نے صدہا امور اپنی آنکھوں سے ایسے خارق عادت دیکھے ہیں کہ اگر ہم بعد اسکے گواہی نہ دیں کہ درحقیقت ہمارا خدا قادر مطلق ہے اور کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ تو ہم سخت گنہگار ہونگے۔ شاید چودہ سال کے قریب ہو گیا ہے یا کم یا زیادہ جو میں نے دیکھا تھا کہ عالم کشف میں ایک کاغذ پر میں نے بعض باتیں لکھی ہیں۔ اس غرض سے کہ ایسے طور سے وہ ہونی چاہئیں۔ اور میں نے دیکھا۔ وہ تحریر اپنے قادر خدا کے روبرو پیش کی کہ اسپر دستخط کر دے۔ کہ ایسا ہی ہو جائے۔ تب میرے خدا نے ایک قلم سے ایک سرخی کی سیاہی سے جو خون کی مانند تھی۔ اور میں خیال کرتا تھا کہ وہ خون ہی ہے۔ اسپر دستخط اپنے کر دیئے۔ اور دستخط سے پہلے قلم کو چھڑک دیا اور وہ چھینٹے خون کے میرے پر پڑے۔

[1] بنی اسرائیل: ۷۱

طاقتیں پرمیشر کی طاقتیں نہیں کہلا سکتیں۔ مگر افسوس کہ آریہ سماجی اصول کے موافق ذرات یعنی پرمانو اور جیوٗ یعنی رُوح یہ سب انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ اس لئے ان کے گُن اور صفات اور خواص اور طاقتیں بھی غیر مخلوق اور انادی ہیں۔ پرمیشر کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ پس اگر وید کا یہی مذہب ہے، تو ماننا پڑتا ہے کہ وید نے آگ کے صفات بیان کرکے آتش پرستی سکھائی ہے۔ اور سورج کی استت اور مہاکرکے سُورج پرستی سکھائی ہے۔ ہاں اگر ان سب چیزوں کو پرمیشر سے نکلی ہوئی مان لیں۔ اور ان کی طاقتیں اسکی طاقتیں مان لیں تو پھر اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور یاد رہے کہ اسکے ساتھ دوسری شرط بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وید میں ان صدہا شرتیوں کے مقابل پر جن میں سورج اور آگ وغیرہ کی استت و مہما موجود ہے۔ کم ازکم پچاس یا ساٹھ یا ستر ایسی شرتیاں بھی پائی جائیں۔ جن کا یہ مطلب ہو کہ یہ چیزیں ہرگز پرستش کے لائق نہیں اور نہ ان سے مُراد مانگ سکتے ہیں۔ ان دو باتوں کے ثابت ہو جانے سے وید اس لائق ہوگا کہ اس الزام سے اس کو بری کردیا جاوے۔ اور وہ فرد قرارداد جرم اس پر سے اُٹھالی جائے۔ جو بڑے بڑے اہل الرائے اس پر لگا رہے ہیں۔ اور اگر یہ

ص۹۳

بقیہ حاشیہ:۔ تب وجد اور شوق محبت سے میری آنکھ کُھل گئی کہ خدا نے میرا منشاء پورا کیا۔ اور میری تحریر پر بے تامل دستخط کردیئے۔ اس وقت میرے پاس ایک دوست موجود تھا۔ یعنی میاں عبد اللہ سنوری۔ اس نے شور مچایا کہ یہ قطرے سُرخ کہاں سے گرے۔ اور جیسا کہ عالم کشف میں دیکھا تھا۔ درحقیقت خارج میں بھی وہ سرخ قطرے تر بتر میرے کُرتہ پر پڑے تھے اور کچھ عبد اللہ پر بھی۔ اب بتلاؤ کہ یہ تو تمام کشفی معاملہ تھا۔ ظاہر میں اُن خونی قطروں کا وجود کیونکر پیدا ہوگیا اور کس مادہ سے وہ خون پیدا ہوُا۔ آریہ صاحبان بجز اس کے کیا جواب دے سکتے ہیں کہ یہ قصہ جھوٹا ہے اور آپ بنالیا ہے۔ اور یہی قصہ مَیں نے سرمہ چشم آریہ میں لکھا ہی کیونکہ انہی دنوں میں وہ کتاب تالیف ہوئی تھی۔ اور چونکہ عین آریہ صاحبوں کے مقابل پر یہ نشان ظاہر ہوُا تھا۔ اس لئے میرے خیال میں یہ پنڈت لیکھرام کے مارے جانے کی طرف اشارہ تھا۔ اور طاعون کے وقوع کی طرف بھی اشارہ تھا۔ اسی طرح صدہا نشان ہیں۔ جو ایسی قدرتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ جو بغیر مادہ کے ظہور میں آئے۔ جس نے یہ قدرتیں نہیں دیکھیں۔ اس نے اپنے خدا کا کیا دیکھا۔ منہ

باتیں ثابت نہیں تو الزام ثابت ہے۔

پھر ایک اور اعتراض آریہ صاحبوں کے اصول پر ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وُہ اس پر بھی توجہ کریں گے۔ اور وُہ یہ ہے کہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ گو دُنیا کے لئے ایک ازلی اور ابدی سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن پرمیشر نے قدیم سے یہی طریق مقرر کر رکھا ہے۔ کہ ہمیشہ وہ سنسکرت زبان میں اور آریہ ورت میں آسمانی کتاب پیدائش کے ابتداء میں بھیجتا رہتا ہے۔ یہ مقولہ تین طور سے غلط ہے۔ اوّل خدا تعالیٰ کی رحمت عامہ کے برخلاف ہے۔ یعنی جس حالت میں دُنیا میں مختلف بلاد اور مختلف زبانیں پائی جاتی ہیں۔ اور ایک ملک کے باشندے دوسری قوم کی زبان سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ اس زمانہ سے پہلے تو یہ حالت رہی ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کے وجود سے بھی بے خبر تھا۔ اور آریہ ورت میں یہ خیال تھا کہ ہمالیہ پہاڑ کے پرے کوئی آبادی نہیں۔ تو اس صُورت میں جبکہ دُنیا کے تفرقہ کی یہ صُورت تھی۔ ہمیشہ اور کروڑہا برسوں سے آسمانی کتاب کو ایک ہی ملک تک محدود رکھنا یہ خدا کی اس رحمت کے برخلاف ہے جو اس کے ربّ العٰلمین ہونے کی شان کو زیبا ہے اور اس کے برخلاف جو قرآن شریف نے فرمایا ہے۔ وہ نہایت معقول اور قرین انصاف ہے اور وُہ یہ کہ وُہ فرماتا ہے۔ وان من اُمّۃٍ اِلَّا خلا فیھا نذیر[1] یعنے کوئی بستی اور کوئی آباد ملک نہیں جس میں پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ یتلو صحفًا مُّطھرۃ فیھا کتب قیمۃ[2] یعنے یہ کتاب جو قرآن شریف ہے یہ مجموعہ ان تمام کتابوں کا ہے۔ جو پہلے بھیجی گئی تھیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے پہلے متفرق طور پر ہر ایک امت کو جُدا جُدا دستور العمل بھیجا۔ اور پھر چاہا۔ کہ جیسا کہ خدا ایک ہے۔ وہ بھی ایک ہو جائیں۔ تب سب کو اکٹھا کرنے کے لئے قرآن کو بھیجا۔ اور خبر دی۔ کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ خدا تمام قوموں کو ایک قوم بنا دے گا۔ اور تمام ملکوں کو ایک ملک کر دے گا۔ اور تمام زبانوں کو ایک زبان بنا دے گا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ دن بدن دُنیا اس صورت کے قریب آتی جاتی ہے اور

۴۴۲

[1] فاطر: ۲۵ [2] البیّنۃ: ۳-۴

مختلف ملکوں کے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ سیاحت کے لئے وہ سامان میسّر آگئے ہیں۔ جو پہلے نہیں تھے۔ خیالات کے مبادلہ کے لئے بڑی بڑی آسانیاں ہوگئی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم میں ایسی دھنس گئی ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہونا چاہتی ہیں۔ بڑے اور مشکل سفر بہت سہل اور آسان ہوگئے ہیں۔ اب روس کی طرف سے ایک ریل تیار ہو رہی ہے کہ جو چالیس دن میں تمام دُنیا کا دورہ ختم کرلے گی۔ اور خبر رسانی کے خارق عادت ذریعے پیدا ہوگئے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان مختلف قوموں کو جو کسی وقت ایک تھیں۔ پھر ایک ہی بنانا چاہتا ہے۔ تا پیدائش کا دائرہ پورا ہو جائے۔ اور تا ایک ہی خدا ہو۔ اور ایک ہی نبی ہو۔ اور ایک ہی دین ہو۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ تفرقہ کے زمانہ میں خدا نے جُدا جُدا ہر ایک ملک میں نبی بھیجے۔ اور کسی ملک سے بخل نہیں کیا۔ لیکن آخری زمانہ میں جب تمام ملکوں میں ایک قوم بننے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ تب سب ہدایتوں کو اکٹھا کرکے ایک ایسی زبان میں جمع کر دیا۔ جو اُمّ الالسنہ ہے۔ یعنے زبانِ عربی۔ کیا کوئی کانشنس اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے کہ سنسکرت زبان آریہ ورت میں تو کروڑہا مرتبہ وید نے جو بقول آریہ پرمیشر کا کلام ہے۔ جنم لیا۔ لیکن کسی اور زبان میں اور کسی اور ملک میں ایک مرتبہ بھی اس کا ظہور نہ ہُوا۔ اگر تناسخ کا مسئلہ کچھ چیز ہے۔ تو اس سے ہی ثبوت دینا چاہیئے۔ کہ پرمیشر نے اس ملک کے لوگوں سے اس قدر کیوں پیار کیا۔ اور دُوسرے ملکوں سے کیوں ایسی بیگانگی ظاہر فرمائی۔ کون سے عمدہ اور پاک کرم یہ ملک ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ جن کی وجہ سے یہ وید کی عزت ہمیشہ اس کو دیجاتی ہے۔ کیا پرمیشر جانتا ہے یا نہیں کہ دُوسرے ملک بھی اِس بات کے محتاج ہیں کہ کبھی ان کی زبان میں بھی کلامِ الٰہی نازل ہو۔ اور ان میں بھی وحی الٰہی پانے والے پیدا ہوں۔ اور اگر جانتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ہمیشہ وید آریہ ورت میں ہی آتا ہے اور سنسکرت زبان میں ہی ہوتا ہے۔ بیان کرنا چاہیئے کہ یہ پکشپات کیوں ہے۔ اور دُوسرے ملکوں کا کیا گناہ ہے۔ جن کی قسمت میں یہ نعمت نہیں۔ اور ہمیشہ کیلئے وہ اس فخر سے بے نصیب

صفحہ ۶۵

ہیں کہ ان کے ملک میں اور ان کی زبان میں خدا کی کتاب نازل ہو۔

پھر دوسرا پہلو اعتراض کا یہ ہے کہ اگر فرض محال کے طور پر یہ بھی خیال کیا جائے۔ کہ وید کل دنیا کیلئے آیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر یہ بخل جائز رکھا جائے کہ اس نے دوسرے ملکوں اور قوموں کو اپنے شرف مکالمہ سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھا۔ تو اس صورت میں اس قدر تو چاہیئے تھا کہ پرمیشر وہ زبان اختیار کرتا۔ جو تمام زبانوں کی ماں ہو۔ اور زندہ زبان ہو۔ نہ سنسکرت کہ کسی طرح وہ تمام زبانوں کی ماں نہیں کہلا سکتی۔ اور نہ وہ زندہ زبان ہے۔ بلکہ مدت ہوئی کہ مرگئی۔ اور کسی ملک میں وہ بولی نہیں جاتی۔ ہاں یہ درجہ اُمّ الالسنہ ہونے کا عربی زبان کو حاصل ہے۔ اور وہی آج ان تمام زبانوں میں سے جن میں آسمانی کتابیں بیان کی جاتی ہیں۔ زندہ زبان ہے۔ اور ہم نے بڑی تحقیق سے تمام زبانوں کا مقابلہ کر کے بہت سے قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ درحقیقت عربی زبان ہی اُمّ الالسنہ ہے۔ اس لئے وہی زبان اس لائق ہے کہ کل قوموں کو اس زبان میں مخاطب کیا جائے۔ اور ہم نے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے۔ اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا۔ میں خیال نہیں کرتا کہ بجز تسلیم کے کسی طرف اس کو گریز کی راہ مل سکے۔ کیونکہ اس میں اعلیٰ درجہ کی تحقیقاتوں سے اور ہزارہا مفردات کے مقابلہ سے اور نیز اس علمی خزانہ سے جو عربی مفردات میں پایا جاتا ہے۔ عربی کا تمام زبانوں کی ماں ہونا ثابت کر دیا ہے۔

تیسری وجہ آریہ صاحبوں کے اس اصول کے غلط ہونے کی کہ وید پر پرمیشر کی مُہر لگ چکی ہے۔ اور اس کے بغیر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ ہمارا ذاتی تجربہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ قریباً ہر روز خدا تعالیٰ ہم سے کلام کرتا ہے اور اپنے اسرارِ غیب اور علوم معرفت سے مطلع فرماتا ہے۔ پس اگر یہ لاف وگزاف درحقیقت وید میں ہے۔ کہ آئندہ وحی کا دروازہ بند ہوگیا۔ تو بعد اس کے ہمیں اس کے جھوٹا ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی

ضرورت نہیں۔ کیونکہ امور مشہودہ محسوسہ کے برخلاف کہنے والا بالیقین کاذب اور سخت کاذب ہوتا ہے۔ جس عالیشان وحی سے ہمیں خدا نے مشرف کیا ہے۔ ہم وید میں اس کا نمونہ نہیں دیکھتے۔ یہ کلام خارق عادت باتوں اور غیب سے پُر ہے۔ جیسا کہ سمندر پانی سے اور اکثر عربی میں جو نبوت کی کلام کی تخت گاہ ہے نازل ہوتا ہے۔ اور کبھی اُردو میں اور کبھی فارسی میں اور بعض اوقات انگریزی زبان میں بھی ہوا ہے۔ اور اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ کونسا نشان ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ سو میں کہتا ہوں کیا پنڈت لیکھرام کے متعلق جو پیشگوئی تھی۔ جس میں اُسکے مارے جانے کا دن اور تاریخ بھی درج تھی۔ کیا وہ آریہ صاحبوں کو بھول گئی۔ کیا وہ ایک ہی پیشگوئی آریہ صاحبوں کیلئے کافی نہیں تھی۔ اور ایسی پیشگوئیاں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ اور ایک فوج گواہوں کی انکے ساتھ ہے۔ جن میں سے کئی معزز آریہ بھی ہیں۔ پس اس سے زیادہ ہم خدا کے مکالمہ کا اور کیا ثبوت دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہم اسی جگہ کے چند آریہ صاحبوں کو بلکہ کئی لاکھ اور آریہ صاحبوں کو بھی گواہی کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اور اس جگہ اس بات کا ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ بعض نادان ایک لاکھ پیشگوئی کے مقابل پر ایک دو پیشگوئیوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ خود اُن کا قصورِ فہم ہے۔ بلکہ کوئی بھی ایسی پیشگوئی نہیں کہ وہ اپنے الفاظ کے مطابق پوری نہیں ہو چکی یا اس میں سے کوئی حصہ پورا نہیں ہو چکا جو دوسرے حصے کے کسی وقت پورا ہو جانے پر گواہ ہے۔ سچی گواہی کو چھپانا اور جھوٹی حجتیں پیش کرنا ان لوگوں کا کام نہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ خاصکر آریہ صاحبوں کو وہ نشان فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جو خدا نے انکو اپنے زبردست ہاتھ سے دکھلایا اور کئی کروڑ انسانوں کو اسپر گواہ کیا۔ ایسے زبردست نشانوں کا انکار کر کے پھر تکذیب کرنا یہ خدا کے ساتھ لڑائی ہے۔

وید کی یہ تعلیمیں ہم نے بطور نمونہ کے بیان کی ہیں۔ اور ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیمیں اس کے مخالف ہیں۔ وہ دُنیا میں توحید قائم کرنے آیا ہے۔ اس میں توحید کی تعلیم شمشیر برہنہ

کی طرح ہے۔ اسکو اول سے آخر تک پڑھو۔ وہ یہ نہیں سکھاتا کہ خدا کے بغیر کسی چیز کی پرستش کرو۔ اور اس سے مرادیں مانگو۔ اور اس کی مہما اور استت بیان کرو۔ وہ خدا کی کتابوں کو نہ کسی خاص ملک سے محدود کرتا ہے۔ اور نہ کسی خاص قوم سے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک دائرہ کو ختم کرنے آیا ہے۔ جس کے متفرق طور پر تمام دُنیا میں نقطے موجود تھے۔ اب وہ ان تمام نقطوں میں خط کھینچکر ان سب کو ایک دائرہ کی طرح بناتا ہے۔ اور اس طرح پر تمام قوموں کو ایک قوم بنانا چاہتا ہے۔ لیکن نہ وقت سے پہلے بلکہ ایسے وقت میں جبکہ خود وقت گواہی دیتا ہے۔ کہ اب ضرور یہ تمام قومیں ایک قوم ہو جائیں گی۔

۶۷

نمبر ۲

ہر ایک نفس کے بارے میں اسکی ذات کے متعلق اور نیز بنی نوع اور قوم کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبوں کی تعلیم کو اس جگہ مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خونِ مسیح اور کفارہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس نے ان کو نہ صرف تمام مجاہدات اور ریاضیات سے فارغ کر دیا ہے بلکہ اکثر دلوں کو گناہوں کے ارتکاب پر ایک دلیری بھی پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ جبکہ عیسائی صاحبوں کے ہاتھ میں قطعی طور پر گناہوں کے بخشے جانے کا ایک نسخہ ہے۔ یعنی خونِ مسیح تو صاف ظاہر ہے کہ اس نسخہ نے قوم میں کیا کیا نتائج پیدا کئے ہوں گے۔ اور کس قدر نفسِ امارہ کو گناہ کرنے کے لئے ایک جرأت پر آمادہ کر دیا ہوگا۔ اِس نسخہ نے جس قدر ...... یورپ اور امریکہ کی عملی پاکیزگی کو نقصان پہنچایا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ

اس کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ بالخصوص جب سے اس نسخہ کی دوسری جُز شراب بھی اس کے ساتھ ملحق ہوگئی ہے۔ تب سے تو یہ نسخہ ایک خطرناک اور بھڑکنے والا مادہ بن گیا ہے۔ اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ ہر ایک سچے عیسائی کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی شراب پیوے اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔

صفحہ ۶۸

غرض اس نسخہ کے استعمال سے ان ملکوں کی عملی پاکیزگی پر جو زلزلہ آیا ہے۔ اور جو کچھ تباہی قوم میں پھیلی ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے بھی بدن کانپتا ہے۔ افسوس کہ شراب اور کفارہ دونوں مل کر ایک ایسا تیز اور جلد مشتعل ہونے والا بارود ہوگیا ہے جس کے آگے تقویٰ اور طہارت باطنی یوں اُڑ جاتی ہے جیسے سخت آندھی کے آگے خس و خاشاک۔ اور اس میں اندرونی پاکیزگی کے اُڑانے کے لئے اس توپ سے بھی زیادہ قوت ہے جو دس میل سے مار کر سکتی ہے۔ کیونکہ توپیں تو اکثر دو تین میل تک فیر کر سکتی ہیں۔ مگر ان توپوں کی زد تو دس ہزار میل سے بھی زیادہ تک پہنچ گئی ہے۔ یورپ کی شراب کی گرم بازاری نے اس ملک کو بھی شریک کر لیا ہے۔ زیادہ بیان کی حاجت نہیں۔ پھر علاوہ اس کے عورتوں کی عام بے پردگی نے اس توپ کا زن و مرد کو نشانہ بنا دیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پاک دل رکھنے والے اور خدا سے ڈرنے والے دنیا میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ اور اکثر انسان اُس کُتّے سے مشابہ ہیں۔ جو دُودھ یا کسی عمدہ چیز کو دیکھ کر اس میں مُنہ ڈالنے سے صبر نہیں کر سکتا۔ نفس غالب اور شہوت طالب اور آنکھیں اندھی ہوتی ہیں۔ اور شراب ایسے جذبات کو اور بھی بانس پر چڑھا دیتی ہے۔ تب خدائے تعالیٰ کا خوف دل سے جاتا رہتا ہے۔ اور جوانی کے دن اور جذبات کے ایام اور تیز شرابوں کے جام اندھا کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں جوان مردوں اور جوان عورتوں کا اس طور سے بلاتکلف ملاپ ہونا۔ گویا کہ وہ میاں بیوی ہیں۔ ایسی قابلِ شرم خرابیاں

پیدا کرتا ہے۔ جن سے اب یورپ بھی دن بدن واقف ہوتا جاتا ہے۔ آخر جیسے بہت سے تجارب کے بعد طلاق کا قانون پاس ہوگیا ہے۔ اسی طرح کسی دن دیکھ لوگے کہ تنگ آکر اسلامی پردہ کے مشابہ یورپ میں بھی کوئی قانون شائع ہوگا۔ ورنہ انجام یہ ہوگا۔ کہ چار پایوں کی طرح عورتیں اور مرد ہو جائیں گے۔ اور مشکل ہوگا کہ یہ شناخت کیا جائے کہ فلاں شخص کس کا بیٹا ہے۔ اور وُہ لوگ کیونکر پاک دل ہوں۔ پاک دل تو وُہ ہوتے ہیں۔ جن کی آنکھوں کے آگے ہر وقت خدا رہتا ہے۔ اور نہ صرف ایک موت اُن کو یاد ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ہر وقت عظمتِ الٰہی کے اثر سے مرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ حالت شراب خوری میں کیونکر پیدا ہو۔ شراب اور خدا ترسی ایک وجود میں اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ خونِ مسیح کی دلیری اور شراب کا جوش تقویٰ کی بیخکنی میں کامیاب ہوگیا ہے۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آیا کفارہ کے مسئلہ نے یہ خرابیاں زیادہ پیدا کی ہیں یا شراب نے۔ اگر اسلام کی طرح پردہ کی رسم ہوتی۔ تو پھر بھی کچھ پردہ رہتا۔ مگر یورپ تو پردہ کی رسم کا دشمن ہے۔ ہم یورپ کے اس فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر وہ اس اصرار سے باز نہیں آتے۔ تو شوق سے شراب پیا کریں۔ کہ اس کے ذریعہ سے کفارہ کے فوائد بہت ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ مسیح کے خون کے سہارے پر جو لوگ گناہ کرتے ہیں۔ شراب کے وسیلہ سے ان کی میزان بڑھتی ہے۔ ہم اس بحث کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔ کیونکہ فطرت کا تقاضا الگ الگ ہے۔ ہمیں تو ناپاک چیزوں کے استعمال سے کسی سخت مرض کے وقت بھی ڈر لگتا ہے۔ چہ جائیکہ پانی کی جگہ بھی شراب پی جائے۔ مجھے اس وقت ایک اپنا سرگذشت قصہ یاد آتا ہے۔ اور وُہ یہ کہ مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے۔ اور بعض وقت سَو سَو دفعہ ایک ایک دن میں پیشاب آیا ہے۔ اور بوجہ اس کے کہ پیشاب میں شکر ہے۔ کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہو جاتا ہے۔ اور کثرت پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے۔ ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس

ص ۶۹

کے لئے افیون مفید ہوتی ہے۔ پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی۔ لیکن اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کرلوں۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا۔ اور دوسرا افیونی۔

پس اس طرح جب میں نے خدا پر توکّل کیا۔ تو خدا نے مجھے ان خبیث چیزوں کا محتاج نہیں کیا۔ اور بارہا جب مجھے غلبہ مرض کا ہُوا۔ تو خدا نے فرمایا کہ دیکھ میں نے تجھے شفا دیدی۔ تب اسی وقت مجھے آرام ہو گیا۔ انہی باتوں سے میں جانتا ہوں کہ ہمارا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے※۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نہ اُس نے رُوح پیدا کی اور نہ ذرّات اجسام۔ وہ خدا سے غافل ہیں۔ ہم ہر روز اُس کی نئی پیدائش دیکھتے ہیں۔ اور ترقیات سے نئی نئی رُوح وُہ ہم میں پھونکتا ہے۔ اگر وہ نیست سے ہست کرنیوالا نہ ہوتا۔ تو ہم تو زندہ ہی مرجاتے۔ عجیب ہے۔ وہ خدا جو ہمارا خدا ہے۔ کون ہے جو اس کی مانند ہے۔ اور عجیب ہیں اُس کے کام۔ کون ہے جس کے کام اس کی مانند ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ ہاں بعض وقت حکمت اس کی ایک کام کرنے سے اُسے روکتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ظاہر کرتا ہوں۔ کہ مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ ایک جسم کے اُوپر کے حصہ میں کہ سردرد اور دورانِ سر اور دورانِ خون کم ہو کر ہاتھ پیر سرد ہو جانا۔ نبض کم ہو جانا۔ دُوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا۔ یہ دونوں بیماریاں قریباً بیس برس سے ہیں۔ کبھی دُعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہیں کہ گویا دُور ہو گئیں۔ مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے دُعا کی۔ کہ یہ بیماریاں بالکل دُور کر دی جائیں۔ تو جواب ملا۔ کہ ایسا نہیں ہو گا۔

مٹ

※ انسان جبتک خود خدا کی تجلّی سے اور خدا کے وسیلہ سے اس کے وجود پر اطلاع نہ پاوے۔ تب تک وہ خدا کی پرستش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خیال کی پرستش کرتا ہے۔ محض خیال کی پرستش کرنا اندرونی گندگی کو صاف نہیں کرتا۔ ایسے لوگ تو پرمیشر کے خود پرمیشر بنتے ہیں کہ خود اس کا پتہ آپ لگاتے ہیں۔ مِنْہُ

تب میرے دل میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ مسیح موعود کے لئے یہ بھی ایک علامت ہے۔کیونکہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں اُترے گا۔ سو یہ وہی دو زرد رنگ کی چادریں ہیں۔ایک اُوپر کے حصّۂ بدن پر اور ایک نیچے کے حصّۂ بدن پر۔کیونکہ تمام اہلِ تعبیر اس پر متفق ہیں کہ عالمِ کشف یا عالمِ رؤیاء میں جو نبوت کا عالم ہے۔ اگر زرد چادریں دیکھی جائیں تو ان سے بیماری مُراد ہوتی ہے۔پس خدا نے نہ چاہا کہ یہ علامت مسیح موعود کی مجھ سے علیحدہ ہو۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے اِس جگہ انجیل کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا۔کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مسیح صرف اپنے خون کا فائدہ پہنچانے کیلئے آیا تھا۔یعنی اس لئے کہ تا گناہ کرنیوالے اس کے مَرنے سے نجات پاتے رہیں۔ورنہ انجیل کی تعلیم ایک معمولی بات ہے جو پہلے سے بائبل میں موجود ہے۔گو یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا۔کہ یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں۔اسپر عمل کرنا مقصود ہی نہیں۔اور یہی سچ ہے۔کیا عدالتیں اسپر عمل کرتی ہیں؟ کیا خود پادری صاحبان اِس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا عوام عیسائی اِس کے پابند ہیں؟ ہاں کفّارہ اور خُونِ مسیح کے موافق ضرور عمل ہو رہا ہے۔اور اس سے یورپ امریکہ دونوں فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

علاوہ اسکے یہ بھی سخت غلطی ہے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل کہا جائے۔ وُہ انسانی فطرت کے درخت کی پُورے طور پر آبپاشی نہیں کر سکتی۔اور صرف ایک شاخ کو غیر موزون طور پر لمبی کرتی ہے اور باقی کو کاٹتی ہے۔اور جن جن قوتوں کے ساتھ انسان اس مسافر خانہ میں آیا ہے۔انجیل ان سب قوتوں کی مُربّی نہیں ہے۔ انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضا محل اور موقعہ کے ان قویٰ کو استعمال کرے۔مثلاً انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے۔اور دُوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔پس

خدائے تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے۔ اور شیر بننے کے محل میں وُہ شیر بن جائے۔ اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت اور ہر محل میں بکری بنا رہے۔ اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے۔ اور جیسا کہ وہ نہیں چاہتا۔ کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے۔ یا ہر وقت جاگتا ہی رہے۔ یا ہر دم کھاتا ہی رہے۔ یا ہمیشہ کھانے سے مُنہ بند رکھے۔ اِسی طرح وُہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے۔ اور دُوسری قوتیں جو خدا کی طرف سے اسکو ملی ہیں۔ انکو لغو سمجھے۔ اگر انسان میں خدا نے ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے۔ تو اسی خدا نے اس میں ایک قوتِ غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ اور دوسری قوت کو اپنی فطرت میں سے بکلی کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے کہ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔ پس یاد رہے۔ کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے۔ بلکہ اُن کی بد استعمالی بُری ہے۔ سو انجیل کی تعلیم نہایت ناقص ہے۔ جس میں ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے دعویٰ تو ایسی تعلیم کا ہے کہ ایک طرف طمانچہ کھا کر دُوسری بھی پھیر دیں۔ مگر اس دعوے کے موافق عمل نہیں ہے۔ مثلاً ایک پادری صاحب کو کوئی طمانچہ مار کر دیکھ لے۔ کہ پھر عدالت کے ذریعہ سے وہ کیا کارروائی کراتے ہیں۔ پس یہ تعلیم کس کام کی ہے۔ جس پر نہ عدالتیں چل سکتی ہیں نہ پادری چل سکتے ہیں۔ اصل تعلیم قرآن شریف کی ہے۔ جو حکمت اور موقعہ شناسی پر مبنی ہے۔ مثلاً انجیل نے تو یہ کہا کہ ہر وقت تم لوگوں کے طمانچے کھاؤ۔ اور کسی حالت میں شر کا مقابلہ نہ کرو۔ مگر قرآن شریف اسکے مقابل پر یہ کہتا ہے۔ جزآؤا سیّئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللہ[1]۔ یعنی اگر کوئی تمہیں دُکھ پہنچاوے۔

ص۲۷

[1] الشوریٰ : ۴۱

مثلاً دانت توڑ دے۔ یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کر دو۔ کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو۔ اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے۔ تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے۔ اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اب دیکھو۔ اِس آیت میں دونوں پہلو کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحتِ وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سو یہی حکیمانہ مسلک ہے۔ جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا ہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ حسب موقعہ گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے۔ ایک وقت رعب دِکھلانے کا مقام ہوتا ہے۔ وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے۔ اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے۔ اور وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا۔ وہ حیوان ہے۔ نہ انسان۔ اور وہ وحشی ہے نہ مہذّب۔

اب ہم آریہ مذہب میں کلام کرتے ہیں۔ کہ اس میں انسانی پاکیزگی اور انسانی نیک چلنی کیلئے کیا تعلیم ہے۔ پس واضح ہو۔ کہ آریہ سماج کے اصولوں میں سے نہایت قبیح اور قابلِ شرم نیوگ کا مسئلہ ہے۔ جس کو پنڈت دیانند صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں درج کیا ہے۔ اور وید کی قابلِ فخر تعلیم اس کو ٹھہرایا ہے۔ اور اگر وہ اس مسئلہ کو صرف بیوہ عورتوں تک محدود رکھتے۔ تب بھی ہمیں کچھ غرض نہیں تھی کہ ہم اس میں کلام کرتے مگر انہوں نے تو اِس اصول، انسانی فطرت کے دشمن کو،

ملہ

انتہا تک پہنچا دیا۔ اور حیا اور شرم کے جامہ سے بالکل علیحدہ ہو کر یہ بھی لکھ دیا کہ ایک عورت جو خاوند زندہ رکھتی ہے۔ اور وہ کسی بدنی عارضہ کی وجہ سے اولاد نرینہ پیدا نہیں کر سکتا۔ مثلاً لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ یا بباعث رقت منی کے اولاد ہی نہیں ہوتی۔ یا وہ شخص گو جماع پر قادر ہے۔ مگر بانجھ عورتوں کی طرح ہے۔ یا کسی اور سبب سے اولاد نرینہ ہونے میں توقف ہو گئی ہے۔ تو ان تمام صورتوں میں اس کو چاہیئے۔ کہ اپنی عورت کو کسی دوسرے سے ہم بستر کرا دے۔ اور اس طرح پر وہ غیر کے نطفہ سے گیارہ* بچے حاصل کر سکتا ہے گویا قریباً بیس برس تک اس کی عورت دوسرے سے ہم بستر ہوتی رہیگی۔ جیسا کہ ہم نے مفصل کتاب کے حوالہ سے یہ تمام ذکر اپنے رسالہ آریہ دھرم میں کر دیا ہے اور حیا مانع ہے کہ ہم اِس جگہ وہ تمام تفصیلیں لکھیں۔ غرض اسی عمل کا نام نیوگ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ اصُول انسانی پاکیزگی کی بیخکنی کرتا ہے اور اولاد پر ناجائز ولادت کا داغ لگاتا ہے۔ اور انسانی فطرت اس بیحیائی کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتی۔ کہ ایک انسان کی ایک عورت منکوحہ ہو۔ جس کے بیاہنے کے لئے وہ گیا تھا۔ اور والدین نے صدہا یا ہزارہا روپیہ خرچ کر کے اس کی شادی کی تھی جو اُس کے ننگ و ناموس کی جگہ تھی۔ اور اس کی عزت و آبرو کا مدار تھا۔ وہ باوجودیکہ اس کی بیوی ہے۔ اور وُہ خود زندہ موجود ہے۔ اس کے سامنے رات کو دوسرے سے ہم بستر ہووے اور غیر انسان اس کے ہوتے ہوئے اسی کے مکان میں اُس کی بیوی سے مُنہ کالا کرے۔ اور وُہ آوازیں سُنے اور خوش ہو۔ کہ اچھا کر رہا ہے۔ اور یہ تمام ناجائز حرکات اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔ اور اس کو کچھ بھی جوش نہ آوے۔ اب بتلاؤ کہ کیا ایسا شخص جس کی منکوحہ اور سہردل

ﷺ

* مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ نیوگ میں یعنی اپنی بیوی کو دوسرے سے ہم بستر کروا کر صرف گیارہ بچوں تک لینے کا حکم ہے یا زیادہ۔ مدّت ہوئی۔ کہ میں نے ستیارتھ پرکاش میں پڑھا تو تھا۔ مگر حافظہ اچھا نہیں یاد نہیں رہا۔ آریہ صاحبان خود مطلع فرما دیں۔ کیونکہ بوجہ روز کی مشق کرانے کے اُن کو خوب یاد ہوگا۔ منہ

کے ساتھ بیاہی ہوئی بیوی اسکی آنکھوں کے سامنے دوسرے کے ساتھ خراب ہو۔ کیا اسکی انسانی غیرت اِس بیحیائی کو قبول کریگی۔ دیکھو راجہ رامچندر نے اپنی بیوی سیتا کیلئے کس قدر غیرت دکھلائی۔ حالانکہ راون ایک برہمن تھا۔ اور سیتا کی ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور بموجب اس قاعدہ کے برہمن سے نیوگ جائز تھا۔ تاہم رامچندر کی غیرت نے اپنی پاکدامن بیوی کیلئے راون کو قتل کیا۔ اور لنکا کو جلا دیا۔ وہ شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں جس کو اپنی بیوی کیلئے بھی غیرت نہیں۔ اور کیا وجہ کہ اس کا نام دیّوث نہ رکھا جاوے۔ حیوانوں میں بھی یہ غیرت مشاہدہ کی گئی ہے۔ پرندوں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک پرندہ روا نہیں رکھتا کہ دوسرا پرندہ اس کی مادہ سے تعلق پیدا کرے۔ پھر انسان ہوکر یہ حیاء سے دُور حرکت کیا کوئی پاک فطرت اِس کو قبول کریگی۔ اور دیانند کا یہ لکھنا کہ یہ ویدک شرتی ہے ہم نہیں قبول کر سکتے کہ ایسی کوئی شرتی وید میں ہوگی۔ نادانوں میں پنڈت دیانند نے جس قدر چاہا لافیں مارلیں۔ ورنہ کامل علمی فضیلت حاصل کرنا جو انسان کے دِل کو روشن کرتی ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ بعض الفاظ کے بہت سے معنے ہوتے ہیں۔ اور ایک جاہل اپنی جلد بازی اور جہالت سے ایک معنے کو پسند کرلیتا ہے۔ پس ایسا شخص جس میں مادہ حیاء کا کم ہو۔ اُسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ میرا قول شرافت اور طہارت سے بعید ہے۔ مگر اِس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے قابلِ شرم امر پر دیانند نے کیوں زور دیا۔ اور کیوں دلیری کرکے یہ گندی تعلیم اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھدی۔ پس جہانتک میں نے سوچا ہے۔ میرے خیال میں اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ پنڈت دیانند تمام عمر مجرّد رہا ہے۔ اور بیوی نہیں کی۔ لہذا اس کو اس غیرت کی خبر نہیں تھی کہ جو ایک شریف اور غیور انسان کو اپنی بیوی کی نسبت ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ناتجربہ کار فطرت نے محسوس نہ کیا۔ کہ مَیں کیا لکھ رہا ہُوں۔ دیانند کو معلوم نہیں تھا کہ اپنی بیویوں کی نسبت تو کنجروں کو بھی غیرت ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ جو بازاری عورتوں

صـــ۴۵

سے ناجائز تعلق رکھتے ہیں۔ جب کسی آشنا کنجری کی نسبت ان کو شک پڑتا ہے۔ کہ وہ دوسرے کے پاس گئی۔ تو بسا اوقات غصہ میں آکر اس کا ناک کاٹ دیتے ہیں۔ یا قتل کر دیتے ہیں۔ تو پھر کیا عقل قبول کر سکتی ہے۔ کہ ایک غیرتمند آریہ کی عورت ایسے کام کرے۔ تو وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل رہے۔ اسی اصول سے تو دُنیا میں صریح بدکاری پھیلتی ہے۔ اور آخر حکام کو بھی ان گندے اصولوں کے روکنے کے لئے دخل دینا پڑتا ہے۔ جیسا کہ گورنمنٹ انگریزی نے ابتداء حکومت میں ہی جل پرواہ اور ستی کے رواج کو جبراً ہٹا دیا تھا۔

اسی طرح تناسخ کا مسئلہ بھی اگر صحیح فرض کیا جاوے۔ تو اسی خرابی کا موجب ہوگا۔ جیسا کہ نیوگ*۔ کیونکہ اس صورت میں کروڑہا دفعہ یہ واقعہ پیش آجائے گا۔ کہ ایک شخص ایک ایسی عورت سے نکاح کرے کہ جو دراصل اس کی ماں تھی۔ یا دادی تھی۔ یا لڑکی تھی جو مر چکی تھی۔ اور پھر وہ دوبارہ جنم لے کر دنیا میں آئی۔ پس اگر آواگون کا مسئلہ صحیح تھا۔ تو اتنا تو پرمیشر کو کرنا

حاشیہ:۔ تناسخ کے مسئلہ جیسا اور کوئی جھوٹا مسئلہ نہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی غلط ہے اور آزمائش کے طور پر بھی یہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور انسانی پاکیزگی کے لحاظ سے بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ اور خدا کی قدرت میں کمزور انداز ہونے کی وجہ سے بھی ہر ایک عارف کا فرض ہے۔ جو اس کو غلط سمجھے۔

اس کی بنیاد اس طرح پر غلط ہے۔ کہ ستیارتھ پرکاش میں بتلایا گیا ہے۔ کہ رُوح عورت کے پیٹ میں اسطرح آتی ہے۔ کہ شبنم کے ساتھ کسی ساگ پات پر پڑتی ہے۔ اور اس ساگ پات کے کھانے سے روح بھی ساتھ کھائی جاتی ہے۔ پس اس سے تو لازم آتا ہے۔ کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑتی ہے۔ ایک ٹکڑے کو اتفاقاً مرد کھا لیتا ہے۔ اور دوسرے ٹکڑے کو عورت کھاتی ہے۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ کہ بچہ کی روحانی قوتیں اور روحانی اخلاق مرد اور عورت دونوں سے ملتے ہیں نہ کہ صرف ایک سے۔ پس دونوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ایسے ساگ پات کو کھاویں جس میں رُوح ہو۔ اور صرف ایک کا کھانا کافی نہیں۔ پس بداہت

صفحہ ۷۶ / صفحہ ۷۶

* نیوگ کی کثرت عورتوں کے لئے اس وجہ سے بھی مضر ہے۔ کہ اس سے حجاب اُٹھ جائے گا۔ اور چند سال بیگانہ مرد کے پاس جا کر پھر ہمیشہ کے لئے یہی عادت رہے گی۔ منہ

چاہیئے تھا۔ کہ نئی پیدا ہونے والی کو اس بات کا علم دے دیتا۔ کہ وہ فلاں فلاں شخص سے پہلے جنم میں رشتہ رکھتا تھا۔ تا بدکاری تک نوبت نہ آتی۔

اس جگہ یاد رہے۔ کہ تناسخ کا مسئلہ اپنی جڑھ سے باطل ہے۔ وہ تب سچ ہو سکتا ہے جب یہ بات سچ ہو۔ کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر کسی ساگ پات پر گرتی ہے۔ اور پھر غذا کی طرح کھائی جاتی ہے۔ مگر بیشی کمی مراتب کی تناسخ پر دلیل نہیں۔ یہ اختلاف مراتب تو بے جان چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس وسوسہ کا جواب یہی ہے۔ کہ قیامت کے دن کم حصّہ والے کو پورا حصّہ دیا جائے گا۔ اور زیادہ حصّہ والے سے حساب کیا جائے گا۔ پس چندروزہ دنیا کی کمی بیشی تناسخ پر کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔

اور نیوگ کے جواب میں یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی متعہ ہے۔ یہ عجیب جواب ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ آریہ صاحبوں نے متعہ کس چیز کو سمجھا ہوا ہے۔ پس واضح ہو۔ کہ خدا نے قرآن شریف میں بجز نکاح کے ہمیں کوئی اور ہدایت نہیں دی۔ ہاں شیعہ مذہب میں سے ایک فرقہ ہے

بقیہ حاشیہ :۔ یہ امر مستلزم تقسیم روح ہے۔ اور تقسیم روح باطل ہے۔ اس لئے تناسخ باطل ہے۔

اور آزمائش کے طور پر یہ مسئلہ اس طرح پر غلط ٹھہرتا ہے۔ کہ جس طرح ہر قسم کی روحیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان تمام صورتوں میں ممکن ہی نہیں کہ شبنم کے ساتھ وہ روحیں پیدا ہوتی ہوں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بالوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ وہ روحیں کس شبنم کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ ایسا ہی کنک کے کھاتوں میں سُسری پڑ جاتی ہے۔ وہ کروڑہا روحیں جو کھاتہ کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں وہ کس شبنم کے ساتھ کھاتہ کے اندر آتی ہیں۔ اور کون ان کو کھاتا ہے۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پیٹ میں کدو دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی دماغ میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور طبعی علم کے تجربہ سے پانی کے ہر ایک قطرے میں ہزارہا کیڑے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ کس شبنم سے پڑتے ہیں۔ تجربہ بتلا رہا ہے۔ کہ ہر ایک چیز میں ایک قسم کے کیڑہ کا مادہ موجود ہے۔ پشمینہ میں بھی ایک قسم کا کیڑہ لگ جاتا ہے۔ لکڑی میں بھی۔ اناج میں بھی۔ اور بعض پھلوں میں پھل کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ہی کیڑا پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گولر کا درخت۔ وہ کس

کہ وُہ موُقت طور پر نکاح کر لیتے ہیں۔ یعنی فلاں وقت تک نکاح اور پھر طلاق ہوگی۔ اور اس کا نام متعہ رکھتے ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ کے کلام سے ان کے پاس کوئی سند نہیں۔ بہر حال وہ تو ایک نکاح ہے جس کی طلاق کا زمانہ معلوم ہے۔ اور نیوگ کو طلاق کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔ طلاق کے بعد تمام تعلقات میاں بیوی کے قطعاً ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ مرگیا۔ اور یہ طلاق کا مسئلہ بوجہ انسانی ضرورتوں کے ہر ایک مذہب میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ولایت میں بھی قانونِ طلاق پاس ہوگیا ہے۔ اور یہ اعتراض کہ مسلمان کئی بیویاں کر لیتے ہیں۔ اس کو بھی نیوگ سے کچھ تعلق نہیں۔ ہندو دھرم کے راجے اور بڑے بڑے آدمی قدیم سے کئی بیویاں کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی کرتے ہیں۔ اور یہ اعتراض کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی زینب کا آسمان پر نکاح ہوا تھا۔ اس سے بھی معترض کی صرف نادانی ثابت ہوتی ہے۔ خدا کے نبیوں اور رسولوں کے آسمان پر ہی نکاح ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدا ان کو قبل از وقت نکاح کا حکم دیتا ہے۔ اور اپنی رضامندی ظاہر کرتا ہے۔ جبکہ آپ لوگوں کا ایک برہمن درمیان

صفحہ ۴۵۸

بقیہ حاشیہ:- شبنم سے کیڑے آتے ہیں۔ اور اہل تجربہ نے ثابت کیا ہے۔ کہ بعض ترکیبوں سے ہزارہا بچھو پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ کس شبنم سے آتے ہیں! افسوس پنڈت دیانند صاحب کی موٹی عقل نے بہت کچھ خفیف اور ندامتیں آریہ صاحبوں کو پہنچائی ہیں۔ آپ تو ایسی غلط اور بیہودہ باتیں بیان کر کے جلد اس دُنیا سے گذر گئے۔ اور دوسروں کو جنہوں نے انہی کا مت اختیار کیا تھا۔ ندامتوں کا نشانہ بنا گئے۔

دیکھو پاکیزگی کے لحاظ سے بھی تناسخ کا مسئلہ کیسا خراب ہے۔ کیا جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ کوئی فہرست بھی اندر سے نکلتی ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ لڑکی فلاں مرد کی ماں یا دادی یا ہمشیرہ ہے تا اس سے وُہ شادی کرنے سے پرہیز کرے۔

اور یہ تناسخ کا مسئلہ پرمیشر کی قدرت میں بھی سخت رخنہ انداز ہے۔ خدا وہ خدا ہے۔ کہ چاہے تو ایک لکڑی میں جان ڈال دے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کا عصا ایک دم میں لکڑی اور ایکدم میں سانپ بن جاتا تھا۔ مگر

میں اگر نکاح کیا جاتا ہے۔ تو کیا خدا کو اختیار نہیں۔ اعتراض تو اس صورت میں تھا۔ کہ خدا کسی غیر کی عورت سے جو اس کے نکاح میں ہے۔ اور اس نے طلاق نہیں دی۔ جبراً کسی پیغمبر کو دے دے۔ مگر طلاق کے بعد اگر خدا کے حکم سے طرفین کی رضامندی سے نکاح ہو۔ تو اس پر کیا اعتراض ہے۔

اور اگر آریہ صاحبوں کے نزدیک اپنی عین حیات میں اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے ہم بستر کرانا اس صورت سے برابر ہے۔ کہ جب انسان اپنی عورت کو بوجہ اس کی ناپاکی یا بدکاری یا کسی اور وجہ سے طلاق دیتا ہے۔ تو اس کا فیصلہ بہت سہل ہے۔ کیونکہ اس ملک میں ایسے مسلمان اور دوسرے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جو اپنی عورتوں سے بوجہ ناموافقت عاجز آکر ان کو طلاق دے دیتے ہیں۔ اور پھر وہ عورتیں اس عضو کی طرح ہو جاتی ہیں۔ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ اور اگر آریہ صاحبان چاہیں۔ تو ہم ایسے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کے ناموں کی بھی بہت سی فہرستیں دے سکتے ہیں۔ جنہوں نے ان مشکلات کی وجہ سے ناپاک وضع عورتوں کو طلاق دے کر

بقیہ حاشیہ :۔ روحوں کے انادی ہونے کی حالت میں ہندوؤں کا پرمیشر ہرگز پرمیشر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جو محض دوسروں کے سہارے سے اپنی خدائی چلا رہا ہے۔ اس کی خدائی کی خیر نہیں۔ وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں۔ اور یہ کہنا کہ تناسخ کا چکر جو کئی ارب سے بموجب آریہ صاحبوں کے عقیدہ کے جاری ہے۔ اس کا باعث گذشتہ پیدائشوں کے گناہ ہیں۔ یہ خیال طبعی علم کے تجربہ کے ذریعہ سے نہایت فضول اور لچر اور باطل ثابت ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ روحوں کی پیدائش میں بھی خدا تعالیٰ کا ایک نظام ہے۔ جو کبھی بیش و کم نہیں ہوتا۔ مثلاً برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور گرمی کے دنوں میں بکثرت مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو کیا انہی دنوں میں ہمیشہ دنیا میں پاپ زیادہ ہوتے ہیں۔ اور نہایت سخت گناہ کی وجہ سے انسانوں کو مکھیاں اور برسات کے کیڑے بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح کے ہزارہا دلائل ہیں۔ جن سے تناسخ باطل ہوتا ہے۔ چاہیئے۔ کہ آریہ صاحبان بغور ان تمام باتوں کو سوچیں۔ منہ

ان سے تمام تعلقات زندگی کے قطع کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی آریہ صاحبوں کو چاہیئے۔ کہ ہمیں اُن شریف اور جنٹلمین اور معزز آریہ صاحبوں کی فہرست دکھلاویں* جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی عورتوں سے نیوگ کرائے ہیں۔ اور غیر مردوں سے ہمبستر کرا کر ان سے اولاد حاصل کی ہے۔ مگر چاہیئے کہ اس فہرست کے ساتھ نیوگ کی اولاد کی ایک فہرست بھی نام بنام پیش کر دیں۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ خاص قادیان میں جو آریہ صاحبان رہتے ہیں کتنوں نے اب تک ان میں سے اپنی بیویوں سے نیوگ کرایا ہے۔ اور کس قدر انہوں نے اس مقدس عمل سے حصّہ لیا ہے۔ اور کتنے نامحرم مردوں سے اپنی جوروؤں کو ہمبستر کرا کر ان سے اولاد حاصل کی ہے۔ کیونکہ اگر درحقیقت یہ عمل عمدہ اور قابلِ فخر اور وید مقدس کی ہدایت ہے تو ضرور ہر ایک آریہ صاحب نے اس ہدایت سے حصّہ لیا ہوگا۔ اور لینا چاہیئے۔

یاد رہے۔ کہ بالمقابل نیوگ کی ہدایت کے قرآن شریف میں بیویوں کے لئے پردہ کی ہدایت ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکٰی لھم۔[1] وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن[2]۔ یعنی مومنوں کو کہہ دے مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔ کہ اپنی آنکھوں کو غیر عورتوں اور مردوں کی طرف دیکھنے سے روکو۔ اور کانوں کو غیر مردوں کی ناجائز آواز اور غیر کی آواز سُننے سے روکو۔ اور اپنے ستر گاہوں کی حفاظت کرو۔ کہ اس طریق سے تم پاک ہو جاؤ گے۔

* کچھ مدت ہوئی ہے۔ کہ ایک آریہ صاحب نے بذریعہ ایک اخبار کے غالباً فیروزپور سے اس مضمون کا ایک خط شائع کیا تھا۔ کہ اگر کوئی آریہ صاحبوں میں سے اپنی بیوی سے نیوگ کرانا چاہتے ہیں یا خود بیوی ہی اس مقدس کام کی شائق ہے۔ تو وہ بذریعہ خط و کتابت کے اس سے تصفیہ کریں۔ ہمیں معلوم نہیں۔ کہ قادیان سے بھی اس درخواست کا کوئی جواب بھیجا گیا تھا یا نہیں۔ منہ

[1] النور: ۳۱ [2] النور: ۳۲

اب اے آریہ صاحبان انصاف سے سوچو۔ کہ قرآن شریف تو اس بات سے بھی منع کرتا ہے۔ کہ کوئی مرد غیر عورت پر نظر ڈالے اور یا عورت غیر مرد پر نظر ڈالے۔ یا اس کی آواز ناجائز طور پر سُنے۔ مگر آپ لوگ خوشی سے اپنی بیویوں کو غیر مردوں سے ہم بستر کراتے ہیں۔ اس کا نام نیوگ رکھتے ہیں۔ کس قدر ان دونوں تعلیموں میں فرق ہے۔ خود سوچ لیں۔ اور سخت افسوس ہے۔ کہ اگر آپ پر ہمدردی کی راہ سے اعتراض کیا جائے۔ کہ ایسا گندہ کام عورتوں سے کیوں کراتے ہو۔ تو آپ طلاق کا مسئلہ پیش کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے۔ کہ طلاق کی ضرورتیں تو تمام دُنیا میں مشترک ہیں۔ جس عورت سے باہمی زوجیت کا علاقہ توڑ دیا گیا۔ وہ تو گویا طلاق دہندہ کے حساب میں مرگئی اگر آپ لوگ صرف اس حد تک رہتے۔ کہ ضرورتوں کے وقتوں میں آپ لوگ اپنی ان عورتوں کو طلاق دیتے جو آپ لوگوں کی نافرمان یا ناموافق یا بدچلن ہوتیں۔ یا دشمن جانی ہوتیں۔ تو کوئی بھی آپ پر اعتراض نہ کرتا۔ کیونکہ عورت مرد کا جوڑ تقوےٰ طہارت کے محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔ اور عورت مرد ایک دوسرے کے دین اور پاکیزگی کے مددگار ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے سچے دوست اور وفادار مخلص ہوتے ہیں۔ اور جب ان میں وہ پاک تعلق باقی نہ رہے۔ جو اصل مدعا نکاح کا ہے۔ تو پھر بجز طلاق کے اور کیا علاج ہے۔ جب ایک دانت میں کیڑا پڑ جائے۔ اور درد پہنچائے۔ تو اب وہ دانت نہیں ہے۔ بلکہ ایک خبیث چیز ہے۔ اس کو باہر نکالنا چاہیئے۔

چوں بدندانِ تو کرمے اوفتاد ⁂ نیست آں دنداں بکن اے اوستاد*

* درحقیقت اسلامی پاکیزگی نے ہی طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ ورنہ جو لوگ دیّوثوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک گو ان کی عورت کچھ کرتی پھرے۔ طلاق کی ضرورت نہیں۔ منہ

۸۸

سیوم

جس خدا کی طرف عیسائی مذہب ہدایت کرتا ہے۔ یا وید یا قرآن شریف ان تینوں مذاہب میں سے کونسا ایسا مذہب ہے جو سچے خدا کو دکھلاتا ہے صرف قصّے پیش نہیں کرتا

واضح رہے۔ کہ مذہب کے اختیار کرنے سے اصل غرض یہ ہے۔ کہ تا وہ خدا جو سرچشمہ نجات کا ہے۔ اس پر ایسا کامل یقین آجائے۔ کہ گویا اس کو آنکھ سے دیکھ لیا جائے۔ کیونکہ گناہ کی خبیث رُوح انسان کو ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ اور انسان گناہ کی مہلک زہر سے کسی طرح بچ نہیں سکتا جب تک اس کو اس کامل اور زندہ خدا پر پورا یقین نہ ہو۔ اور جب تک معلوم نہ ہو۔ کہ وُہ خدا ہے جو مجرم کو سزا دیتا ہے۔ اور راستباز کو ہمیشہ کی خوشی پہنچاتا ہے۔ یہ عام طور پر ہر روز دیکھا جاتا ہے۔ کہ جب کسی چیز کے مہلک ہونے پر کسی کو یقین آجائے تو پھر وُہ شخص اس چیز کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً کوئی شخص عمداً زہر نہیں کھاتا۔ کوئی شخص شیر خونخوار کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی شخص عمداً سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ پھر عمداً گناہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے۔ کہ وہ یقین اس کو حاصل نہیں۔ جو ان دوسری چیزوں پر حاصل ہے۔ پس سب سے مقدم انسان کا یہ فرض ہے۔ کہ خدا پر یقین حاصل کرے۔ اور اس مذہب کو اختیار کرے۔ جس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ تا وہ خدا سے ڈرے اور گناہ سے بچے۔ مگر ایسا یقین حاصل کیونکر ہو۔ کیا یہ صرف قصّوں کہانیوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیا یہ محض عقل کے ظنی دلائل سے میسر آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس واضح ہو۔ کہ یقین کے حاصل ہونے کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ انسان خدا تعالےٰ کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس کے خارق عادت

نشان* دیکھے۔اور بار بار کے تجربہ سے اس کی جبروت اور قدرت پر یقین کرے یا ایسے شخص کی صحبت میں رہے۔جو اس درجہ تک پہنچ گیا ہے۔

اب میں کہتا ہوں۔کہ یہ درجہ معرفت کا نہ کسی عیسائی صاحب کو نصیب ہے۔اور نہ کسی آریہ صاحب کو۔اور ان کے ہاتھ میں محض قصّے ہیں۔اور زندہ خدا کی زندہ تجلّی کے نظارہ سے وہ سب بے نصیب ہیں۔ہمارا زندہ حیّ وقیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے۔ہم ایک بات پوچھتے اور دُعا کرتے ہیں۔تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے۔اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے۔تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے۔اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے۔یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے۔کہ وہ وہی ہے۔جس کو خدا کہنا چاہیئے۔دعائیں قبول کرتا ہے۔اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے۔وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے۔اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں ان کو بھی کثرت دعا سے زندہ کر دیتا ہے۔اور یہ سب ارادے قبل از وقت اپنے کلام سے تبلا دیتا ہے۔خدا وہی خدا ہے۔جو ہمارا خدا ہے۔وہ اپنے کلام سے جو آئندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ہم پر ثابت کرتا ہے۔کہ زمین وآسمان کا وہی خدا ہے۔وہی ہے جس نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔کہ مَیں تجھے طاعون کی موت سے بچاؤں گا۔اور نیز ان سب کو جو تیرے گھر میں نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤں گا۔اس زمانہ میں کون ہے جس نے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا۔اور اپنے نفس اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں

*نبوت کے زمانہ کے بعد کچھ مدت تک پیشگوئیاں اسی نبی کی جو دُنیا سے گذر گیا بطور معجزات کے دلوں کو تسلی دیتی رہتی ہیں جو دوسری نسل کے سامنے پوری ہوتی رہتی ہیں۔مگر یہ نظارہ بہت مدت تک نہیں رہتا۔اور نرے قصّے انسان کو پورا پرہیزگار نہیں بنا سکتے۔گو صرف غیب پر چلنے والا قومی تعصب میں بڑھ سکتا ہے۔اور شریر انسان کی طرح زبان دراز ہو سکتا ہے۔مگر سچی پاکیزگی جو اپنے پھل ظاہر کرے۔کبھی اس کے دل میں نہیں آسکتی۔منہ

کے لئے جو اس کی چاردیواری کے اندر رہتے ہیں۔ خدا کی ذمہ داری ظاہر کی۔ ایک لاکھ تک اب تک میرے نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ایک بڑے حصّہ کے گواہ اس جگہ کے آریہ صاحبان لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل بھی ہیں۔ اگر وہ انکار کریں گے۔ تو ہم ایک اور رسالہ کے ذریعہ سے دکھائیں گے۔ کہ ان کا ردّ دھرم* ہے یا ہٹ دھرمی۔ قوم کے ڈر سے جھوٹ بولنا نجاست کھانے سے بدتر ہے۔ پھر قوم بھی کب اس گواہی سے باہر ہے۔ ان کے بہادر پنڈت نے اپنی موت سے سب کو گواہ بنا دیا۔ غریب شرمپت اور ملاوامل کس حساب میں ہیں۔ ص۸۳

یاد رہے۔ کہ طاعون کے متعلق اور ایک پیشگوئی عظیم الشان ظہور میں آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ آج سے چھ سات سال پہلے مَیں نے اپنی ایک کتاب میں خدا تعالیٰ سے الہام پا کر شائع کیا تھا۔ کہ طاعون کے ذریعہ سے بہت سے لوگ میری جماعت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب تک دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ میری جماعت میں داخل ہوئے ہیں جو طاعون سے ڈر کر اس طرف آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے میرے سلسلہ کو نوح کی کشتی سے تشبیہ دی تھی۔ سو اس کشتی میں لوگ بیٹھتے جاتے ہیں۔ نوح کی کشتی میں ہر ایک درند چرند ڈر کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ نہیں کہ نوح شکاریوں کی طرح ان کو جنگلوں سے پکڑ لایا تھا۔ بلکہ وہ جان کے خوف سے آپ ہی کشتی میں بیٹھ گئے تھے۔ اب بھی اس کشتی میں ہر قسم کے ڈرنے والے لوگ بیٹھ رہے ہیں۔

سنو اے سب زمین پر رہنے والو۔ آپ آریہ صاحبان اور عیسائی صاحبان سے پوچھ کر

---

* مَیں دیکھتا ہوں کہ آریہ صاحبوں کی اب بدزبانی بڑھتی جاتی ہے۔ اور انہوں نے اب علاوہ وید کے دیوتاؤں کے اپنی قوم کو بھی ایک دیوتا بنا لیا ہے۔ مَیں جانتا ہوں۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ وہ نشان اور حق و قیوم خدا سچا کی تائیدیں آسمان سے اپنی کوئی قدرت دکھلا دے۔ وید کے خدا کی کمزوری تو انہیں ۶ رمارچ کو معلوم ہو چکی تھی مگر اس نئے دیوتا نے وہ واقعہ فراموش کرا دیا۔ اب وہ مجھ سے کیسا نشان طلب کرتے ہیں کھلے طور پر چیلنج کریں۔ پھر جس طور سے خدا چاہے وہ قادر ہے۔ کہ ان کے چیلنج کا جواب دے۔ خدا پر اور اس کی وحی پر ہنسی کرنا اچھا نہیں۔ اگرچہ بقول ان کے وید خدا کا کلام نہیں مگر خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے۔ دیکھیں اور ہمیں اور مت ہنسیں۔ منہ ص۸۳

انصافاً نہیں۔ کہ ان کے ہاتھ میں بجز پرانے اور بوسیدہ قصّوں کے کچھ اور بھی ہے۔ یہی تو وجہ ہے۔ کہ ایک فرقہ نے ان میں سے ایک انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ جو درحقیقت مجھ سے زیادہ نہیں۔ اگر وہ مجھے دیکھتا تو خدائی نعمتوں کو اس جگہ زیادہ پاتا۔ یہ تو عیسائیوں کا جعلی خدا ہے۔ مگر آریوں نے ایک فرضی خدا انسان کی طرح کمزور اپنی طرف سے تراش لیا ہے۔ جو رُوحوں اور ذراتِ اجسام کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ اگر ان کو خدا تعالےٰ کی تازہ قدرتوں سے حصّہ ہوتا تو وہ جانتے۔ کہ وہ انسان ہونے سے پاک اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے۔ رُوح کیا حقیقت ہے۔ جو اس کو پیدا نہ کر سکے۔ اور پرمانو کیا چیز ہیں۔ جو ان کی پیدائش پر قادر نہ ہو۔ رُوحوں کے اندر ایک اور روحیں ہیں اور ذرات کے اندر ایک اور ذرات ہیں۔ سب کا وہی پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کبھی اپنی مرضی سے اور کبھی اپنے مقبول بندوں کی دُعا سن کر تازہ بتازہ ایجاد کرتا رہتا ہے۔ جس نے اس کو اس طرح پر نہیں دیکھا۔ وہ اندھا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی[1]۔ یعنی جس کو اس جہان میں اس کا درشن نہیں ہوا۔ اُس کو اُس جہان میں بھی اس کا درشن نہیں ہوگا۔ اور وہ دونوں جہانوں میں اندھا رہے گا۔ خدا کے دیکھنے کے لئے اسی جہان میں آنکھیں تیار ہوتی ہیں۔ اور بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع ہوتی ہے۔

ان اشتہارات میں جو میرے پر حملہ کرنے کے لئے آریہ صاحبوں نے شائع کئے ہیں۔ میری بعض پیشگوئیوں پر نافہمی سے بعض اعتراض بھی کر دیئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حال میں یا پہلے لڑکا ہونے کی پیشگوئی تھی۔ اور لڑکی پیدا ہوئی۔ پس اس قدر جواب کافی ہے۔ کہ اگر وہ کتابوں کو دیکھ کر دیانت کے طریق کو اختیار کرتے۔ تو ایسا اعتراض کبھی نہ کرتے۔ مجھے تو ایسا الہام کوئی یاد نہیں۔ کہ جس کا یہ مضمون ہو۔ کہ اب ضرور بلا فاصلہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اگر ان کو یاد ہے تو وہ پیش کر دیں۔ ورنہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین ہماری طرف سے جواب کافی

[1] بنی اسرائیل : ۷۳

ہے۔ خدا نے تمام کتابوں میں قیامت کی پیشگوئی شائع کر رکھی ہے۔ آریہ صاحبان بھی مہاپرلو کے قائل ہیں۔ مگر وہ پیشگوئی اب تک پوری نہیں ہوئی۔ بلکہ دُنیا پہلے سے زیادہ آباد ہوتی جاتی ہے۔ جو پہلے جنگل تھے۔ اب وہاں آبادیاں اور شہر ہیں۔ مگر کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ خدا کی باتوں میں ایک وقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقتوں میں پُوری ہوتی ہیں۔ اور وعید کی پیشگوئی میں توبہ اور رجُوع سے کبھی تاخیر بھی ہوجاتی ہے۔ انسان کی بدذاتی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں۔ کہ اعتراض کے وقت جھوٹ بولے۔ ایسا ہی آتھم کی موت کی پیشگوئی پر تب اعتراض ہوتا۔ کہ میں اس سے پہلے مرجاتا۔ اور وہ اب تک زندہ ہوتا۔ کیونکہ الہام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جو مذہب میں جھوٹا ہے۔ وہ پہلے مرے گا۔ الہامی شرط کے موافق اس نے تھوڑے دن فائدہ اٹھایا۔ پھر پیشگوئی کے مطابق مرگیا۔ اس نے عین مجلس میں قریباً ستّر آدمی کے روبرو جن میں نصف کے قریب عیسائی بھی تھے۔ اپنی شوخیوں سے رجوع کیا۔ اور پھر آخر میعاد تک ڈرتا اور روتا رہا۔ اس کو کچھ مہلت دی گئی۔ اور یہ مہلت خدا کی شرط کے موافق اور الہام میں درج تھی۔ اور آخر قبر نے اس کو بُلالیا۔ مگر تعجب کہ آریہ صاحبان کیوں خواہ نخواہ دوسروں کے قصّے پیش کرتے ہیں۔ آپ بیتی کو کیوں اس قدر جلدی سے بھول گئے۔ اور کیوں وہ پنڈت لیکھرام کی پیشگوئی سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ ذرا پنڈت لیکھرام کی کتاب کھول کر دیکھیں۔ کہ اس نے میری نسبت اشتہار شائع کیا تھا کہ مجھے پرمیشر نے خبر دی ہے۔ کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ سے مرجائے گا۔ اور میں نے بھی خداتعالےٰ سے الہام پاکر کئی کتابوں میں شائع کردیا تھا۔ کہ پنڈت لیکھرام چھ برس کے عرصہ تک قتل کے ذریعہ مارا جائے گا۔ اور وہ دن عید کے دن سے ملا ہوا ہوگا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس ملک میں طاعون پھیلے گی۔ چنانچہ وہ سب باتیں پوری ہوگئیں۔ اور آپ لوگوں کا بہادر پنڈت لیکھرام آپ کو نادم کرنے والا چھ مارچ کو اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔ دیکھو۔

صفحہ ۸۵

اسلام کا خدا کیسا سچا اور غالب نکلا۔ اگر یہ انسان کا کام تھا۔ تو کیوں لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ میں آریہ صاحبوں سے باادب پوچھتا ہوں۔ کہ یہ پیشگوئی پنڈت لیکھرام صاحب کی جو میری نسبت تھی کہ یہ شخص تین برس کے عرصہ میں ہیضہ سے مرجائے گا۔ کیا یہ درحقیقت پرمیشر کی طرف سے تھی۔ پھر ایسے مقابلہ کے وقت لیکھرام کا پرمیشر کیوں عاجز رہ گیا۔ اور اگر پنڈت جی نے جھوٹ بولا تھا۔ اور پرمیشر پر افتراء کیا تھا۔ تو کیا ایسے مفتری کی یادگاریں قائم کرنا روا ہے۔ جس نے پرمیشر پر جھوٹ بولا۔ دیکھو اس مقابلہ میں ہمارے خدا کی کیسی صفائی سے پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور میں نے لکھدیا تھا۔ کہ تمام آریہ صاحبان اب مل کر لیکھرام کے بچانے کے لئے اپنے پرمیشر سے دُعا کرلیں۔ مگر پرمیشر بچا نہ سکا۔ اب بالفعل ہم اسی پر ختم کرتے ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھُدٰی ۔

خاتمہ آریہ صاحبوں کے بعض اعتراضات کے جواب میں

٨٦

انسان جب بغیر سوچنے سمجھنے کے محض نکتہ چینی کے ارادہ سے مخالفت کی نظر سے دیکھے تو گو کیسا ہی کوئی امر سیدھا اور صاف ہو اس کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہر جاتا ہے۔ ایسا ہی آریہ صاحبوں کا حال ہے۔ وہ اس ندامت کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے جو ایک اعتراض کے غلط اور بے جا ثابت ہونے میں ایک باحیا انسان کے دل پر صدمہ پہنچاتی ہے۔ اب سنئے اعتراضات یہ ہیں۔ جو ہمیشہ اسلام جیسے پاک اور کامل مذہب پر سراسر نادانی سے کرتے ہیں۔ اور ہم اس وقت وہ اعتراض لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء کو قادیان میں جلسہ کرکے اسلام پر کئے اور اس طرح یہ ثابت کر دیا۔ کہ ان کے تعصب اور ناسمجھی اور ناحق کے کینہ کی کہاں تک نوبت پہنچی ہے۔

اعتراضات

۱۔ مسلمان خدا کی نندیا کرتے ہیں۔کیونکہ ان کا عقیدہ ہے۔کہ خدا عرش پہ بیٹھا ہوا ہے۔اور چار فرشتوں نے اس تخت کو اٹھایا ہوا ہے۔اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا محدود ہے۔اور قائم بالذات نہیں۔اور جب محدود ہے۔تو اس کا علم بھی محدود ہوگا۔اور حاضر ناظر نہ ہوگا۔

الجواب

اے حضرات! مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے۔جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔تمام قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھو۔اس میں ہرگز نہیں پاؤ گے۔کہ عرش بھی کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے۔کہ ہر ایک چیز جو کوئی وجود رکھتی ہے۔اس کا میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔میں ہی زمین و آسمان اور روحوں اور ان کی تمام قوتوں کا خالق ہوں۔میں اپنی ذات میں آپ قائم ہوں۔اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قائم ہے۔ہر ایک ذرہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے۔وہ میری ہی پیدائش ہے۔ مگر کہیں نہیں فرمایا۔کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے۔جس کا میں پیدا کرنے والا ہوں۔اگر کوئی آریہ قرآن شریف میں سے نکال دے۔کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے۔تو میں اس کو قبل اس کے جو قادیان سے باہر جاتے۔ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں۔جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے۔کہ میں قرآن شریف کی وہ آیت دکھاتے ہی ہزار روپیہ حوالہ کردوں گا۔ورنہ میں بادب کہتا ہوں۔کہ ایسا شخص خود لعنت کا محل ہوگا۔جو خدا

ص۸۷

پر جھوٹ بولتا ہے۔

اب ظاہر ہے۔ کہ اس اعتراض کی بنیاد تو محض اس بات پر ہے۔ کہ عرش کوئی علیحدہ چیز ہے۔ جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ اور جب یہ امر ثابت نہ ہو سکا۔ تو کچھ اعتراض نہ رہا۔ خدا صاف فرماتا ہے۔ کہ وہ زمین پر بھی ہے اور آسمان پر بھی اور کسی چیز پر نہیں۔ بلکہ اپنے وجود سے آپ قائم ہے۔ اور ہر ایک چیز کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اور ہر ایک چیز اس کے تصرف میں ہے۔ اور ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ جہاں تین ہوں۔ تو چوتھا ان کا وہ ہے۔ جہاں پانچ ہوں تو چھٹا ان کے ساتھ خدا ہے۔ اور کوئی جگہ نہیں جہاں خدا نہیں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[1]۔ جس طرف تم منہ کرو۔ اسی طرف خدا کا منہ پاؤ گے۔ وہ تم سے تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہی ہے۔ جو پہلے ہے۔ اور وہی ہے۔ جو آخر ہے۔ اور وُہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے۔ اور وہ نہاں در نہاں ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[2]

یعنے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے۔ پس جواب یہ ہے۔ کہ ایسا نزدیک ہوں۔ کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں۔ جو شخص مجھ پر ایمان لا کر مجھے پکارتا ہے۔ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ ہر ایک چیز کی کَل میرے ہاتھ میں ہے اور میرا علم سب پر محیط ہے۔ میں ہی ہُوں۔ جو زمین و آسمان کو اٹھا رہا ہوں۔ میں ہی ہوں جو تمہیں خشکی تری میں اُٹھا رہا ہوں۔

یہ تمام آیات قرآن شریف میں موجود ہیں۔ بچہ بچہ مسلمانوں کا ان کو جانتا اور پڑھتا ہے۔ جس کا جی چاہے وہ ہم سے آ کر ابھی پوچھ لے۔ پھر ان آیات کو ظاہر نہ کرنا اور ایک استعارہ کو لے کر اس پر اعتراض کر دینا۔ کیا یہی دیانت آریہ سماج کی ہے۔ ایسا دُنیا میں کون

[1] البقرۃ: ۱۱۶ [2] البقرۃ: ۱۸۷

مسلمان ہے۔ جو خدا کو محدود جانتا ہے۔ یا اس کے وسیع اور غیر محدود علم سے منکر ہے۔ اب یاد رکھو۔ کہ قرآن شریف میں یہ تو کہیں بھی نہیں۔ کہ خدا کو کوئی فرشتہ اٹھا رہا ہے۔ بلکہ جا بجا یہ لکھا ہے۔ کہ خدا ہر ایک چیز کو اٹھا رہا ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ استعارہ مذکور ہے کہ خدا کے عرش کو جو دراصل کوئی جسمانی اور مخلوق چیز نہیں فرشتے اٹھا رہے ہیں۔ دانشمند اس جگہ سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ جبکہ عرش کوئی مجسم چیز ہی نہیں۔ تو فرشتے کس چیز کو اٹھاتے ہیں۔ ضرور یہ کوئی استعارہ ہوگا۔ مگر آریہ صاحبوں نے اس بات کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ انسان خود غرضی اور تعصب کے وقت اندھا ہو جاتا ہے۔ اب اصل حقیقت سنو۔ کہ قرآن شریف میں لفظ عرش کا جہاں جہاں استعمال ہوا ہے اس سے مراد خدا کی عظمت اور جبروت اور بلندی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مخلوق چیزوں میں داخل نہیں کیا۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مظہر+ چار ہیں۔ جو وید کے رو سے چار دیوتے کہلاتے ہیں مگر قرآنی اصطلاح کے رو سے

حاشیہ+:۔ خدا تعالیٰ کی چار صفتیں ہیں جن سے ربوبیت کی پوری شوکت نظر آتی ہے۔ اور کامل طور پر چہرہ اس ذات ابدی ازلی کا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان ہر چہار صفتوں کو سورۃ فاتحہ میں بیان کر کے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لئے ان لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے۔ کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے۔ ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری رحمانیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری رحیمیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری صفت مالکانہ جزا و سزا کی بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیرے اس حسن اور احسان میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اس لئے ہم تیری عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں کرتے۔

اب واضح ہو۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا

۸۹ۛ ان کا نام فرشتے بھی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ اکاش جس کا نام اندر بھی ہے۔ سورج دیوتا جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ چاند جس کو عربی میں قمر کہتے ہیں۔ دھرتی جس کو عربی میں ارض کہتے ہیں۔ یہ چاروں دیوتا جیسا کہ ہم اس رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ خدا کی چار صفتوں کو جو اس کے جبروت اور عظمت کا اتم مظہر ہیں۔ جن کو دوسرے لفظوں میں عرش کہا جاتا ہے۔ اٹھا رہے ہیں۔ یعنی عالم پر یہ ظاہر کر رہے ہیں۔ تصریح کی حاجت نہیں۔ اس بیان کو ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ اور قرآن شریف میں تین قسم کے فرشتے لکھے ہیں۔

(۱) ذراتِ اجسام ارضی اور روحوں کی قوتیں۔

(۲) اکاش۔ سورج۔ چاند۔ زمین کی قوتیں جو کام کر رہی ہیں۔

(۳) ان سب پر اعلیٰ طاقتیں جو جبرئیل و میکائیل و عزرائیل وغیرہ نام رکھتی ہیں۔ جن کو وید میں جم لکھا ہے۔ مگر اس جگہ فرشتوں سے یہ چار دیوتے مراد ہیں۔ یعنی اکاش اور سورج وغیرہ جو خدا تعالیٰ کی چار صفتوں کو اٹھا رہے ہیں۔ یہ وہی صفتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں

بقیہ حاشیہ:۔ ہے۔ اور اسی لئے صرف اسقدر ذکر پر یہ نتیجہ مرتب کیا ہے۔ کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہی لائق پرستش ہے اور درحقیقت یہ صفتیں بہر وجہ کامل ہیں۔ اور ایک دائرہ کے طور پر الوہیت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں۔ کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے۔ اور درمیانی زمانہ کی ربوبیت اور رحیمیت کا بھی ذکر ہے۔ اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے۔ اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں۔ پس یہ چار صفتیں خدا تعالیٰ کی پوری صورت دکھلاتی ہیں۔ سو درحقیقت استوا علی العرش کے یہی معنے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آگئیں تو اللہ تعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا۔ کہ کوئی صفت صفات لازمہ الوہیت سے باہر نہیں رہی۔ اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلی ہو گئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے۔ تو تخت نشینی ۸۹ۛ

میں عرش کہا گیا ہے۔ اس فلسفہ کا وید کو بھی اقرار ہے۔ مگر یہ لوگ خوب وید دان ہیں۔ جو اپنے گھر کے مسئلہ سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ منہ

غرض وید کے یہ چار دیوتے یعنی اکاش۔ سورج۔ چاند۔ دھرتی۔ خدا کے عرش کو جو صفت ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مالک یوم الدین ہے۔ اٹھا رہے ہیں۔ اور فرشتہ کا لفظ قرآن شریف میں عام ہے۔ ہر ایک چیز جو اس کی آواز سنتی ہے۔ وہ اس کا فرشتہ ہے۔ پس دنیا کا ذرہ ذرہ خدا کا فرشتہ ہے۔ کیونکہ وہ اس کی آواز سنتے ہیں اور اس کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ اور اگر ذرہ ذرہ اُس کی آواز سُنتا نہیں۔ تو خدا نے زمین و آسمان کے اجرام کو کس طرح پیدا کر لیا۔ اور یہ استعارہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس طرح خدا کے کلام میں بہت سے استعارات ہیں جو نہایت لطیف علم اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ اگر اب بھی کوئی شخص اپنی ناسمجھی سے باز نہ آوے۔ تو وہ کوئی اعتراض

بقیہ حاشیہ:۔ کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف شاہی ضرورتوں کیلئے طرح طرح کے سامان تیار ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ اور وہ فی الفور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حقیقت ربوبیت عامہ ہیں۔ دوسری طرف خسروانہ فیض سے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ تیسری طرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں ان کو مناسب چیزدی جاتی ہے اپنی خدمات کے انجام کیلئے مدد دی جاتی ہے۔ چوتھی طرف جزا سزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ کسی کی گردن ماری جاتی ہے اور کوئی آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ چار صفتیں تخت نشینی کے ہمیشہ لازم حال ہوتی ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا ان ہر چہار صفتوں کو دُنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے۔ جس کا نام عرش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اسکے کیا معنے ہیں۔ کہ اس تخت کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں۔ پس اسکا یہی جواب ہے کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکل ہیں۔ جو دنیا پر یہ صفات خدا تعالیٰ ظاہر کرتے ہیں۔ اور انکے ماتحت چار ستارے ہیں۔ جو چار دیوتا کہلاتے ہیں جنکو وید میں دیوتا کے نام سے پکارا گیا ہے۔ پس وہ ان چاروں صفتوں کی حقیقت کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ گویا اس روحانی تخت کو اٹھا رہے ہیں۔ بت پرستوں کا جیسا کہ وید سے ظاہر ہے۔ صاف طور پر خیال تھا۔ کہ یہ چار صفتیں مستقل طور پر دیوتاؤں منہ

منتخب کرکے اسلام پر پیش کرے۔ اور پھر انسانیت اور تحمل سے اس کا جواب سُنے۔ ورنہ ایسے اعتراضات سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو بس یہی کہ معترض حقیقت سے بے خبر اور دل اس کا تعصب سے پُر اور غرض اس کی محض تحقیر ہے۔ دین ایک علم ہے۔ اور اپنے اندر اسرار رکھتا ہے۔ کیا لازم ہے کہ اس طرح پر افتراء کے طور پر اعتراض کئے جائیں ورنہ مسلمان بوجہ اولیٰ کہہ سکتے ہیں کہ جن خداؤں کو وید نے پیش کیا ہے۔ وہ تو یہی ہیں۔ کہ سورج۔ چاند آگ۔ پانی زمین وغیرہ مخلوق چیزیں۔ یہ سب محدود اور مخلوق اور بے جان ہیں۔ اسلئے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف محدود بلکہ بے جان چیز ہے۔ اسی لئے ان کی آواز نہیں سُن سکتا۔ اور نہ جواب دے سکتا ہے۔ صدا۹

پھر جس پرمیشر نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا۔ اس کا محدود ہونا تو بہر حال ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اس طرح پر سمجھ لو۔ کہ روحوں اور پرمانو اور پرمیشر سے گویا ایک شہر آباد ہے۔ جس کے ایک محلہ

بقیہ حاشیہ۔ کو حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے وید میں جا بجا انکی استت اور مہما گگئی اور ان سے مرادیں مانگی گئیں۔ پس خدا تعالیٰ نے استعارہ کے طور پر سمجھایا کہ یہ چار دیوتا جکو بت پرست اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ یہ مخدوم نہیں۔ بلکہ یہ چاروں خادم ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے عرش کو اٹھا رہے ہیں۔ یعنی خادموں کی طرح ان الٰہی صفات کو اپنے آئینوں میں ظاہر کر رہے ہیں اور عرش سے مراد لوازم صفات تخت نشینی ہیں جیسا کہ ابھی میں نے بیان کر دیا ہے۔ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ رب کے معنے دیوتا ہیں۔ پس قرآن شریف پہلے اسی سورۃ سے شروع ہوا ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ تمام مہما اور استت اُس خدا کو چاہیئے۔ جو تمام عالموں کا دیوتا ہے۔ وہی ہے جو رب العلمین ہے۔ اور رحمٰن العلمین ہے۔ اور رحیم العلمین ہے۔ اور مالک جزاء العالمین ہے۔ اسکے برابر اور کوئی دیوتا نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کے زمانہ میں دیوتا پرستی بہت شائع تھی۔ اور یونانی ہر ایک دیوتے کا نام رب النوع رکھتے تھے۔ اور رب النوع کا لفظ آریہ ورت میں دیوتا کے نام سے موسوم تھا۔ اس لئے پہلے خدا کا کلام ان جھوٹے دیوتاؤں کی طرف ہی متوجہ ہوا۔ جیسا کہ اسکے فرمایا۔ الحمد للّٰہ رب العلمین یعنی وہ جو سب عالموں کا دیوتا ہے۔ نہ صرف ایک یا دو عالم کا اسی کی پرستش اور حمد و ثنا چاہیئے۔ دوسروں کی مہما اور استت کرنا غلطی ہے۔ اسکی صفحہ ۹۱

میں تو ارواح یعنے جیو رہتے ہیں ۔ اور دوسرے محل میں پرمانو یعنے ذراتِ اجسام رہتے ہیں ۔ اور تیسرے محل کے کونے میں پرمیشر رہتا ہے ۔ کیونکہ جو چیزیں انادی اور اپنا اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں ان میں پرمیشر دھنس نہیں سکتا ۔ کیا تم سرب بیاپک ہو سکتے ہو ۔ پس سوچ کر دیکھو کہ انادی اور غیر مخلوق ہونیکی حیثیت سے تم میں اور پرمیشر میں کیا فرق ہے ۔ پس وہ کیونکر غیر میں دھنس جائیگا ۔ پس خواہ مخواہ تمہارا پرمیشر محدود ہو گیا ۔ اور بوجہ محدود ہونے کے علم بھی محدود ہو گیا ۔ مگر اس خدا کو کون محدود کہہ سکتا ہے جس کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے ۔ جس کی نسبت وہ کہتا ہے ۔ کہ ہر ایک جان کی وہی جان ہے ۔ جس کے ساتھ وہ زندہ ہے ۔ اور ذرہ ذرہ اس کے ہاتھ سے نکلا اور اسی کے سہارے سے موجود ہے اور سب چیز پر وہ محیط ہے ۔ کیونکہ ہر ایک چیز اسی سے نکلی ہے ۔

نادان انسان جو تعصب سے بھرا ہوا ہوتا ہے ۔ ایک بات اپنے منہ سے نکالتا ہے ۔ اور کبھی ارادہ نہیں رکھتا ۔ کہ اس کا فیصلہ کرے ۔ یہی آریہ صاحبان کا حال ہے ۔ گویا وہ اس دنیا میں

بقیہ حاشیہ :۔ صورت میں جو صفتیں بُت پرستوں نے چار دیوتاؤں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں ۔ خدا تعالےٰ نے ان سب کو اپنی ذات میں جمع کر دیا ہے ۔ اور صرف اپنی ذات کو ان صفات کا منبع ظاہر فرمایا ۔ بُت پرست قدیم سے یہ بھی خیال کرتے تھے ۔ کہ خدا کی اصولی صفات یعنی جو اصل جڑ تمام صفات کی ہیں ۔ وہ صرف چار ہیں ۔ پیدا کرنا پھر مناسب حال سامان عطا کرنا ۔ پھر ترقی کے لئے عمل کرنے والوں کی مدد کرنا ۔ پھر آخر میں جزا و سزا دینا ۔ اور وہ ان چار صفات کو چار دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ اسی بناء پر نوح کی قوم کے بھی چار ہی دیوتا تھے ۔ اور انہیں صفات کے لحاظ سے عرب کے بت پرستوں نے بھی لات ۔ منات ۔ عزیٰ اور ہبل بنا رکھے تھے ۔ ان لوگوں کا خیال تھا ۔ کہ یہ چار دیوتا بالارادہ دنیا میں اپنے اپنے رنگوں میں پرورش کر رہے ہیں ۔ اور ہمارے شفیع ہیں ۔ اور ہمیں خدا تک بھی یہی پہنچاتے ہیں ۔ چنانچہ یہ مطلب آیت لیقربونا الی اللہ زلفیٰ[1] سے ظاہر ہے ۔

اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ۔ وید بھی ان چاروں دیوتاؤں کی مہما اور استت کی ترغیب دیتا ہے ۔ اور وید میں اگرچہ اور دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے ۔ لیکن اصولی دیوتے جن سے اور سب دیوتے پیدا ہوئے ہیں ۔ یا یوں کہو کہ ان کی

[1] الزمر : ۴

ہمیشہ رہیں گے۔ ورنہ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر تم قرآن شریف کی ایک بات کو بھی رد کر سکو۔ تو جو تاوان چاہو ہم پر لگا لو۔ خواہ تم تمام جائداد ہماری لے لو۔ مگر کیا کسی کی نیت ہے۔ کہ آرام سے اور آہستگی سے جیسا کہ عدالت میں مقدمات فیصلہ پاتے ہیں۔ کسی چیز کا فیصلہ کرے۔ ہرگز نہیں پس صبر کرو۔ جب تک خدا ہمارا تمہارا فیصلہ کرے۔

صفحہ ۹۳

(۲) ایک یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ فرشتے خدا تعالیٰ کو جا کر نیکی بدی کی خبر دیتے ہیں۔ اور اس وقت تک وہ بے خبر ہوتا ہے۔ **الجواب**:۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ورنہ کھول کر دکھلاؤ کہ کہاں قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ میں مخلوق کے حال سے بے خبر ہوں۔ جب تک کوئی فرشتہ مجھے خبر نہ دے۔ وہ تو بار بار قرآن شریف میں کہتا ہے۔ کہ ذرہ ذرہ کی مجھے خبر ہے۔ ایک پتہ بھی میرے حکم کے بغیر نہیں گرتا۔ میں تعجب کرتا ہوں۔ کہ یہ کس قسم کی رُوحیں ہیں۔ کہ دلیری سے

بقیہ حاشیہ شاخ ہیں۔ وہ چار ہی ہیں۔ کیونکہ کام بھی چار ہی ہیں۔ پس قرآن شریف کی پہلی غرض یہی تھی۔ کہ وید وغیرہ مذاہب کے دیوتاؤں کو نیست و نابود کرے اور ظاہر کرے کہ یہ لوگوں کی غلطیاں ہیں۔ کہ اور اور چیزوں کو دیوتا یعنی رب النوع بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ چار صفتیں خاص خدا تعالیٰ کی ہیں۔ اور ان چار صفتوں کے عرش کو خادموں اور نوکروں کی طرح یہ بیجان دیوتے اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔ ؎ صدرا بانسبتے است درست ؛ بر در ہر کہ رفت بر در تست۔ پس یہ اعتراض جو آریہ صاحبان ہمیشہ سے کرتے ہیں۔ یہ تو درحقیقت ان کے ویدوں پر اعتراض ہے۔ کیونکہ مسلمان تو اس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جو مخدوم ہے۔ مگر آریہ صاحبان ان جھوٹے دیوتاؤں کو خدا سمجھ رہے ہیں۔ جو خادموں اور نوکروں چاکروں کی طرح خدا تعالیٰ کی صفات اربعہ کا عرش اپنے سر پر اٹھا رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو چاکروں کے بھی چاکر ہیں۔ کیونکہ ان پر اور طاقتیں بھی مسلط ہیں۔ جو ملائک کے نام سے موسوم ہیں۔ جو ان دیوتاؤں کی طاقتوں کو قائم رکھتے ہیں۔ جن میں سے زبان شرع میں کسی کو جبرئیل کہتے ہیں۔ اور کسی کو میکائیل۔ اور کسی کو عزرائیل اور کسی کو اسرافیل۔ اور سناتن دھرم والے اس قسم کے ملائک کے بھی قائل ہیں۔ اور ان کا نام جم رکھتے ہیں ؛ منہ

اس قدر افتراء کرتے ہیں۔ سارا قرآن اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کا بالذات علم رکھتا ہے۔ پس ہم اس افتراء کا کیا نام رکھیں۔ کہ گویا مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ خدا کو کچھ بھی اپنی مخلوق کی خبر نہیں۔ جب تک فرشتے جاکر رپورٹ نہ دیں۔

(۳) ایک یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ کہ خدا پہلے کچھ مدت تک بیکار رہا ہے۔ کیونکہ دنیا ہمیشہ سے نہیں۔ الجواب :۔ یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے خدا بیکار تھا۔ بلکہ وہ قرآن شریف میں بار بار کہتا ہے کہ مَیں قدیم سے خالق ہوں۔ مگر اس بات کی تفصیل کہ وہ کس کس مخلوق کو پیدا کرتا رہا ہے۔ یہ امر انسان کے احاطۂ اقتدار سے باہر ہے۔ ہم قرآن کی رُو سے ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ کبھی معطل نہیں رہا۔ مگر اس کی تفصیل کو ہم نہیں جانتے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے کتنی مرتبہ اس دُنیا کو بنایا۔ اور کتنی مرتبہ ہلاک کیا۔ یہ لمبا اور غیر متناہی علم خدا کو ہے۔ کسی دفتر میں یہ سما نہیں سکتا۔ ہاں عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ صرف چند مدت سے خدا نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ پہلے کچھ نہ تھا۔ اور قدیم سے وہ خالق نہیں ہے۔ سو یہ اعتراض ان پر کرو۔ اور پھر آپ لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے۔ کہ ہم تو مانتے ہیں۔ کہ ہمارا خدا قدیم سے ذراتِ اجسام پیدا کرتا رہا۔ اور قدیم سے روحیں بھی پیدا کرتا رہا۔ مگر آپ لوگ تو قطع نظر قدیم کے ایک مرتبہ کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی ان صفات کو نہیں مانتے۔ پھر کیوں اپنے گھر سے بے خبر رہ کر اسلام پر محض افتراء کے طور پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ ورنہ حیا اور شرم کر کے قرآن شریف سے ہمیں دکھلا دو کہ کہاں لکھا ہے۔ کہ مَیں قدیم سے خالق نہیں ہوں۔ مگر آپ کا پرمیشر تو بجز معمار یا نجار کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا اور کیونکر معلوم ہوا۔ کہ وہ عالم الغیب ہے۔ اس کا وید میں کیا ثبوت ہے۔ ذرا ہوش سے جواب دو۔

۹۲۵

(۴) ایک یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ مسلمانوں کا خدا متغیر ہے۔ کبھی کوئی حکم دیتا ہے۔ کبھی کوئی۔ الجواب :۔ خدا آپ لوگوں کو ہدایت دے۔ قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا۔ کہ خدا متغیر ہے۔ بلکہ یہ لکھا ہے۔ کہ انسان متغیر ہے۔ اس لئے اس کے مناسب حال خدا اس کے لئے تبدیلیاں کرتا ہے۔

جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو صرف اس کو خون کی غذا ملتی ہے۔ اور جب پیدا ہوتا ہے۔ تو ایک مدت تک صرف دودھ پیتا ہے۔ اور پھر بعد اسکے اناج کھاتا ہے۔ اور خدا تعالے تینوں سامان اس کے لئے وقتاً فوقتاً پیدا کر دیتا ہے۔ پیٹ میں ہونے کی حالت میں پیٹ کے فرشتوں کو جو اندرونی ذرات ہیں حکم کر دیتا ہے۔ کہ اس کی غذا کے لئے خون بنا دیں۔ اور پھر جب پیدا ہوتا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیتا ہے۔ تو پھر پستان کے فرشتوں کو جو اسکے ذرات ہیں۔ حکم کرتا ہے۔ کہ اس کے لئے دودھ بنا دیں۔ اور جب وہ دودھ سے پرورش پا چکتا ہے۔ تو پھر اس حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے تو پھر زمین کے فرشتوں کو جو اسکے ذرات ہیں حکم کرتا ہے۔ کہ اس کے لئے اخیر مدت تک اناج اور پانی پیدا کرتے رہیں۔ پس ہم مانتے ہیں۔ کہ ایسے تغیر خدا کے احکام میں ہیں۔ خواہ بذریعہ قانونِ قدرت اور خواہ بذریعہ شریعت۔ مگر اسسے خدا میں تغیر کونسا لازم آیا۔ شرم! شرم!! شرم!!!

مگر افسوس کہ وید کی رُو سے خدا ان تغیرات کا مالک نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وید تو خدا کے فرشتوں کا منکر ہے۔ پس کیونکر دنیا کے ذرات اور رُوحوں کی قوتیں اس کی آواز سُن سکتی ہیں۔ علم طبعی اور ہیئت کا سلسلہ تبھی خدا کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ کہ جب طبعی طور پر ہر ایک ذرہ مخلوقات کا خدا کا فرشتہ مان لیا جائے۔ ورنہ فرشتوں کے انکار سے دہریہ بننا پڑے گا۔ کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے پرمیشر کو اس کا کچھ بھی علم نہیں۔ اور نہ اس کی مرضی اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ مثلاً کانوں میں سونا اور چاندی اور پیتل اور تانبا اور لوہا طیار ہوتا ہے۔ اور بعض کانوں میں سے ہیرے نکلتے ہیں اور نیلم پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض جگہ یاقوت کی کانیں ہیں۔ اور بعض دریاؤں میں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک جانور کے پیٹ سے بچہ یا انڈہ پیدا ہوتا ہے۔ اب خدا نے تو قرآن شریف میں ہمیں یہ سکھلایا ہے۔ کہ یہ طبعی سلسلہ خود بخود نہیں۔ بلکہ ان چیزوں کے تمام ذرات خدا کی آواز سنتے ہیں۔ اور اس کے فرشتے ہیں یعنی اس کی طرف سے ایک کام کیلئے مقرر شدہ ہیں۔ پس وہ کام اس کی مرضی کے موافق وہ کرتے رہتے ہیں۔ سونے کے ذرات سونا بناتے رہتے ہیں۔ اور چاندی کے ذرات چاندی بناتے رہتے ہیں۔ اور موتی کے ذرات موتی بناتے ہیں۔ اور انسانی وجود کے ذرات ماؤں کے پیٹ میں انسانی بچہ

۹۵

تیار کرتے ہیں۔ اور یہ ذرات خود بخود کچھ بھی کام نہیں کرتے۔ بلکہ خدا کی آواز سُنتے ہیں۔ اور اس کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ اس کے فرشتے کہلاتے ہیں۔ اور کئی قسم کے فرشتے ہوتے ہیں۔ یہ تو زمین کے فرشتے ہیں مگر آسمان کے فرشتے آسمان سے اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ سورج کی گرمی بھی خدا کا ایک فرشتہ ہے۔ جو پھلوں کو پکاتا اور دوسرے کام کرتا ہے۔ اور ہوائیں بھی خدا کے فرشتے ہیں۔ جو بادلوں کو اکٹھے کرتے اور کھیتوں کو مختلف اثر اپنے پہنچاتے ہیں۔ اور پھر ان کے اوپر اور بھی فرشتے ہیں۔ جو ان میں تاثیر ڈالتے ہیں۔ علوم طبعی اس بات کے گواہ ہیں۔ کہ فرشتوں کا وجود ضروری ہے۔ اور ان فرشتوں کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اب بقول آریہ صاحبان وید ان فرشتوں کا منکر ہے۔ پس اس طور سے وہ اس طبعی سلسلہ سے انکاری اور دہریہ مذہب کی بنیاد ڈالتا ہے۔ کیا یہ امر بدیہی اور مشہود و محسوس نہیں۔ کہ ہر ایک ذرہ ذرات اجسام میں سے ایک کام میں مشغول ہے۔ یہاں تک کہ شہد کی مکھیاں بھی خدا کی وحی سے ایک کام کر رہی ہیں۔ پس وید اگر اس سلسلہ سے منکر ہے۔ تو پھر اس کی خیر نہیں۔ اس صورت میں وہ تو دہریہ مذہب کا حامی ہوگا۔ اگر یہی وید ودیا کا نمونہ ہے۔ تو شاباش خوب نمونہ پیش کیا۔

(۵) ایک یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ شفاعت پر بھروسہ شرک ہے۔

الجواب:۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ[1] یعنی خدا کے اذن کے سوا کوئی شفاعت نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف کی رُو سے شفاعت کے معنے یہ ہیں۔ کہ ایک شخص اپنے بھائی کے لئے دُعا کرے۔ کہ وہ مطلب اس کو حاصل ہو جائے۔ یا کوئی بلا ٹل جائے۔ پس قرآن شریف کا حکم ہے۔ کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور میں زیادہ جھکا ہوا ہے۔ وہ اپنے کمزور بھائی کے لئے دعا کرے۔ کہ اس کو وہ مرتبہ حاصل ہو۔ یہی حقیقت شفاعت ہے۔ سو ہم اپنے بھائیوں کے لئے بیشک دُعا کرتے ہیں۔ کہ خدا ان کو قوت دے۔ اور انکی بلا دور کرے۔ اور یہ ایک ہمدردی کی قسم ہے۔ پس اگر وید نے اس ہمدردی کو نہیں سکھلایا۔ اور وید کی رُو سے ایک بھائی دوسرے کے لئے دُعا نہیں کر سکتا۔ تو یہ بات وید کے لئے قابل تعریف نہیں۔ بلکہ ایک

صفحہ ۹۶

[1] البقرۃ: ۲۵۶

سخت عیب ہے۔ چونکہ تمام انسان ایک جسم کی طرح ہیں۔ اس لئے خدا نے ہمیں بار بار سکھلایا ہے۔ کہ اگرچہ شفاعت کو قبول کرنا اس کا کام ہے۔ مگر تم اپنے بھائیوں کی شفاعت میں یعنی ان کیلئے دُعا کرنے میں لگے رہو۔ اور شفاعت سے یعنی ہمدردی کی دعا سے باز نہ رہو۔ کہ تمہارا ایک دوسرے پر حق ہے۔ اصل میں شفاعت کا لفظ شفع سے لیا گیا ہے۔ شفع جفت کو کہتے ہیں۔ جو طاق کی ضد ہے۔ پس انسان کو اس وقت شفیع کہا جاتا ہے۔ جبکہ وہ کمال ہمدردی سے دوسرے کا جفت ہو کر اسمیں فنا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کیلئے ایسی ہی عافیت مانگتا ہے۔ جیسا کہ اپنے نفس کے لئے۔ اور یاد رہے۔ کہ کسی شخص کا دین کامل نہیں ہو سکتا جبتک کہ شفاعت کے رنگ میں ہمدردی اس میں پیدا نہ ہو۔ بلکہ دین کے دو ہی کامل حصے ہیں۔ ایک خدا سے محبت کرنا اور ایک بنی نوع سے اسقدر محبت کرنا کہ انکی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ لینا اور ان کیلئے دعا کرنا جس کو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے ہیں۔

(۶) خدا کی کوئی آواز دُنیا میں سُنائی نہیں دیتی۔

الجواب:۔ تعجب کہ باوجودیکہ پنڈت لیکھرام کی موت سے تمام آریہ صاحبوں نے ۶ مارچ کے دن خدا تعالیٰ کی آواز سُن لی۔ اور خدا نے دُنیا میں اشتہار دیدیا۔ کہ لیکھرام بوجہ اپنی بد زبانیوں کے چھ برس تک کسی کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ وہ آواز نہ صرف ہم نے سُنی۔ بلکہ ہمارے ذریعہ سے سب آریہ صاحبوں نے سُنی۔ مگر کیا اب بھی ثابت نہ ہوا۔ کہ خدا کی آواز دنیا کو سنائی دیتی ہے۔ آپ صاحبوں میں سے پکے آریہ لالہ شرم پت اور لالہ ملاوا مل ساکن قادیان بہت سی خدا کی آوازوں کے گواہ ہیں۔ اگر وہ انکار کریں گے۔ اور قوم کو خدا پر مقدم رکھیں گے اور جھوٹ بولیں گے۔ تو شاید کوئی اور آواز آسمانی سُن لیں گے۔

المشتھر:۔ خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی